

متاعِ واہی

(طنزیہ اور مزاحیہ کلام)

رضا نقوی واہی

متاعِ واہی

(طنزیہ اور مزاحیہ کلام)

رضا نقوی واہی

(یہ مجموعۂ کلام بہار اردو اکادمی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا)

پہلی بار: ــــــــــ اکتوبر ۱۹۷۷ء

خوشنویس: ــــــــــ ایس۔ ایم۔ جلیل

مطبع: ــــــــــ پٹنہ لیتھو پریس، رمنہ لین، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

قیمت: ــــــــــ بیس۲۰ روپے

ناشر: ــــــــــ موڈرن پرنٹرز، دریاپور، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

ملنے کے پتے: ــــــــــ

۱۔ مکتبۂ ادب، روڈ نمبر ۵/۱۴ گردنی باغ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۱

۲۔ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

۳۔ ماہنامہ شگوفہ، ۱۳۱ بیچلرز کوارٹرز، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد ۱

۴۔ نیشنل اکادمی، ۹۔ انصاری مارکٹ، دریا گنج، دہلی ۱۱۰۰۰۲



Raza Naqvi "Wahi"

فہرست

لے ڈی ۱
عورتوں کا سال ۳
انٹرویو ۵
ماسٹر پلان ۶
غالب صدی..... ۷
انٹلکچوئل ۸
جنرل اسپتال ۱۰
لیڈری کا نسخہ ۱۲
لال فیتہ ۱۴
ماہرِ فن ۱۶
ریل کا سفر ۱۷
وفاقی ۱۹
تبصرہ نگاری ۲۱
نئے لیڈر کی دعا ۲۳
ایک اشتہار ۲۴
اپیل ۲۶
الکشن ۲۸
بلیڈ ۲۹
چاند اور شاعر ۳۱
چاند اور محبوب ۳۳
زبان ۳۵
گرو اور فنڈ ۳۶
لیلائے کرپشن ۳۸
محقق ۴۰
نقاد ۴۲
گویا شاعر ۴۴
مشاعرہ اور کامریڈ ۴۶
مشاعرہ سے پہلے اور بعد ۴۸
بلغار سے انتشار تک ۵۰
فہرست حمار ۵۲
نیا ہاتھی ۵۴
تخمین جدید ۵۶
راشن کی دکان ۵۹
اے میری زیرپائی ۶۱
اے لکچرر ۶۵
میں اسٹوڈنٹ ہوں ۶۸
پروفیسر نامہ ۷۰
پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۷۳
انتقال کے بعد ۷۵
حضرتِ کاتب ۷۹
پروگرام :——
واہی ۸۱
بڑا صاحب ۸۲
شاعر ۸۳
ملّا ۸۴
ایڈیٹر ۸۵
پلیڈر ۸۶
لیڈر ۸۷
پروفیسر ۸۸
نقاد ۸۹
فلسفی ۹۰
شعرستان :——
تحریکِ شعرستان ۹۱
تشکیلِ شعرستان ۹۴
شعرستان سے ایک خط ۹۷
شعرستان میں شاعروں
کے خاندان ۱۰۰
شعرستان میں دستور سازی ۱۰۲
شعرستان کی نئی نسل ۱۰۵
شعرستان میں الکشن ۱۰۷
شعرستان اور ناقد ۱۰۹
شعرستان میں دل بدلی ۱۱۱
شعرستان میں کبوتر بازی ۱۱۳
شہرت کے لئے ۱۱۵
شکوہ اللہ سے..... ۱۱۸
گھریلو منصوبہ ۱۲۲
مچھروں کا گیت ۱۲۴
اللہ رے مادّہ ۱۲۶
شاعرِ بسیار گو ۱۲۸
آئینہ ۱۳۰
ڈکٹیٹر کا سر ۱۳۲
مکھن ۱۳۴
معرکۂ جہیز و دین مہر ۱۳۶
رشوت ۱۳۸
ملازمت ۱۴۰
ہم نے چاہا تھا.... ۱۴۲
خدمتِ ادب ۱۴۴
خدامِ ادب ۱۴۶
اقتباساتی ادیب ۱۴۸
مکتوبی ادیب ۱۵۰
رحمانیہ ہوٹل ۱۵۲

جدید علمی تنقید ۱۵۵
طوقِ زرّیں ۱۵۷
کھجور ۱۵۹
ترقی ۱۶۱
ایک ہنگامہ پہ موقوف... ۱۶۳
ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ۱۶۵
دیش بھگت ۱۶۷
چال ۱۶۸
الکشن اور بُرقعے ۱۷۰
الزام ۱۷۳
مولوی اور کامریڈ ۱۷۵
رسائل میں چھپنے کی ترکیب ۱۷۷
رسائل مفت حاصل کرنے
کی ترکیب ۱۷۹
ایڈیٹر کا دردِ سر ۱۸۰
کارپوریشن میں مشاعرہ ۱۸۳
کریڈیشاں ۱۸۶
یو۔این۔او ۱۸۸
نقادچی ۱۹۰
چمر چٹ ۱۹۲
شہرتِ اضافی ۱۹۵
بانیانِ مشاعرہ ۱۹۷
مشاعرہ ۱۹۹
عرضِ کاتب ۲۰۰
شاعرِ مے خوار ۲۰۲
انہماک ۲۰۴
قبلہ آپ! ۲۰۵
سکندر نامہ ۲۰۷
مقدّر ۲۰۹

میرِ فتنہ ۲۱۱
ظلمِ استّار ۲۱۳
افواہ نگار ۲۱۵
نورِ چشم ۲۱۷
دلیل ۲۱۹
ٹیڈی کفن ۲۲۱
موجد ۲۲۲
نگرانی ۲۲۴
آبادی کا مسئلہ ۲۲۶
ویلفیئر اسٹیٹ ۲۸۸
آبادکاری ۲۳۱
اے بھائی مصدّق ۲۳۳
چرچل کی مناجات ۲۳۵
قیامِ امن ۲۳۶
اسمِ اعظم ۲۳۸
اشٹ گرہ ۲۴۱
نئی یونی ورسٹی ۲۴۳
ٹیوشن ۲۴۶
لفافے ۲۵۰
لیبر لیڈر ۲۵۲
ٹیڈی بوائے ۲۵۵
ٹیڈی گرل ۲۵۷
حضرتِ خدنگ ۲۵۹
جاگیرداری ۲۶۱
چارسوبیس ۲۶۴
چمچے ۲۶۶
کنٹرول ۲۶۸
بلیک مارکٹ ۲۷۱
بلیک مارکٹیئر ۲۷۳

پیروی ۲۷۵
جشنِ شاعر ۲۷۷
منظوم خطوط بنام ←
دلاور فگار ۲۸۱
حکیم غبار بھٹی ۲۸۲
صلاح الدّین نیّر ۲۸۵
حاجی ڈاکٹر عزیز تمنّائی ۲۸۷
پرکاش فکری ۲۸۷
ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی ۲۸۸
ڈاکٹر سیّد محمد عقیل ۲۸۹
مجتبیٰ حسین ۲۹۱
پروفیسر اختر قادری ۲۹۳
جگن ناتھ آزاد ۲۹۵
رؤف خلش ۲۹۶
مصطفیٰ کمال ۲۹۸
گوپال متّل ۳۰۰
بہاء الدین احمد کلیم ۳۰۲
ڈاکٹر مظفر حنفی ۳۰۳
وفا ملک پوری ۳۰۵
پروفیسر عبدالمغنی ۳۰۶
خالد رحیم ۳۰۹
سنتوکھ سنگھ معصوم ۳۱۳
سلطان اختر ۳۱۴
پروفیسر تاج پیامی ۳۱۵
مناظر عاشق ۳۱۶
کرامت علی کرامت ۳۱۷
خالد رحیم ۳۲۳
رؤف خلش ۳۲۵
ڈاکٹر اسلم آزاد ۳۲۷

لے دَہی

سرکار کی عنایت و بخشش سے جب بنی
یوپی میں اور بہار میں اُردو اکیڈمی

روزِ ازل سے قسمت شاعر جو بند تھی
اک زوردار جھٹکے سے فی الفور کھُل گئی

استاد و مبتدی و عطائی و تک فروش
اکثر کو بہرِ طبع و اشاعت رقم ملی

چالاک ان میں جو تھے رقم ہضم کر گئے
اوروں نے جیسے تیسے کتاب اپنی چھاپ لی

پٹنہ سے لکھنؤ تلک آنے لگے نظر
اک اک گلی میں صاحبِ دیوان کئی کئی

ہر صاحبِ کتاب نے آکر ترنگ میں
مقدور بھر ضیافتِ احباب خاص کی

اجراء کے جشن تک تو رہی خوب دھوم دھام
مجموعہ جس کو مفت ملا اس نے داد دی

اجراء کے بعد آیا نکاسی کا مرحلہ
ہر اک کتب فروش کی چھانی گئی گلی

لکھے گئے عزیز و اقارب کو بھی خطوط
اخبار میں نکالا گیا اشتہار بھی

سعیٔ بلیغ پر بھی نہ بر آئی آرزو
دو ایک جلد بھی نہ کتابوں کی بک سکی

بنیوں نے کی بچاروں کی تھوڑی مدد ضرور
ردّی کے بھاؤ لے لیں کتابیں کبھی کبھی

کھونگا بنانے والے بھی کچھ لے گئے کلام
شاعر کے خونِ دل کی کھپت یوں بھی کچھ ہوئی

گھر والیوں نے پھاڑ کے اوراق گاہ گاہ
چولھے جلائے، گرم کی سالن کی دیگچی

اولاد شاعروں کی تھی اردو سے نابلد
قدر ان کے دل میں ہوتی بھلا کیا کلام کی

گلدستۂ سخن سے بنائی گئی پتنگ — چھوڑی گئی ڈرین میں کاغذ کی ناؤ بھی
ہوتا رہا یہ حشر نگاہوں کے سامنے — ہمت نہ ہاری اہلِ سخن نے مگر کبھی
جیسے دہی فروش لئے سر پہ ٹوکرا — بازار میں پکارتا پھرتا ہے — لے دہی
اب یوں ہی اپنے دوش پہ لادے ہوئے کتاب — پھرتے ہیں صبح و شام سخنور گلی گلی

واہی بھی باوجودِ ضعیفی ہے ان کے ساتھ
گٹھڑی ہے اس کے کاندھوں پہ بھی "واہیات" کی

(۱۹۷۶ء)

عورتوں کا سال

عورتوں کا سال کیا آیا، قیامت آگئی
اک وبائی شکل میں مردوں کی شامت آگئی

دفعتاً پیروں کے نیچے سے نکل بھاگی زمین
سال بھر کے واسطے وہ ہو گئے کوڑی کے تین

یک بیک آیا سماجی زندگی میں انقلاب
کاروبارِ زیست میں چلنے لگا الٹا حساب

چھن گیا، مردوں کے ہاتھوں میں تھا جو کچھ اختیار
آیا مستورات کے قبضے میں سارا اقتدار

مرد سارے، دوسرے درجے کے شہری بن گئے
یعنی جتنے بھی مگرمچھ تھے، گلہری بن گئے

بی بیوں پر تھا جو قائم شوہروں کا سامراج
دفعتاً اس پر پڑی ضربِ اصول کا مراج

امتناعی حکم یہ فی الفور جاری ہو گیا
گھر سے باہر جا نہیں سکتا ہے کوئی مردوا

گھر کے اندر دائی ماما جو کیا کرتی تھیں کام
مرد اب انجام دیں گے وہ فرائض صبح و شام

صاحبوں سے کرسیاں دفتر کی خالی ہو گئیں
بی بیاں ان کی جگہ مختار و والی ہو گئیں

کھو دی۔ دھوتی، پینٹ و بش شرٹ نے اپنی اساس
ساڑیاں اور بیل باٹم بن گئے قومی لباس

چھاؤنی جا کر بسائی عورتوں کی فوج نے
لفٹ رائٹ کی جگہ لے لی 'اوئی'، اور 'نوج' نے

کام سارے بند کر کے لنچ کے اوقات میں
بیٹھ کر اک دوسرے کی دیکھی جاتی تھیں جوئیں

ایک ہی دفتر میں ہوتیں ساس اور بہوئیں گر
ایک فائل سیکڑوں جھگڑے کا بن جاتی تھی گھر

زن مریدوں کے فرائض میں نہ تبدیلی ہوئی
بلکہ گردن کی رسن تھوڑی بہت ڈھیلی رہی

زن مریدی کام آئی گھر میں گھس جانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

شاعروں کے واسطے لیکن یہ وقتِ انقلاب
بن کے آیا ایک آفت اک مصیبت اک عذاب

اپنی ذمّہ داریوں سے وہ سدا غافل رہے
گھر کے حق میں زندگی بھر مولوی فاضل رہے

عمر بھر جُز شاعری جن کا نہیں تھا کوئی کام
اب وہی باورچی خانوں میں جٹے تھے صبح و شام

جن کو خود اپنی صفائی کا نہ پہلے ہوش تھا
ان کو گھر کا پوتڑا ہر روز اب دھونا پڑا

ان کے حق میں سخت ہوتی آزمائش کی گھڑی
نونہالوں کی جب آتی غسل و مالش کی گھڑی

اک طرف غزلوں کے مصرعے ذہن میں آتے ہوئے
اک طرف آغوش میں یہ چیخ فرماتے ہوئے

"یاد آتی تھیں وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں"
پڑھ کے غزلیں بزم میں جب ڈال دیتے تھے وہ جان

اب وہ سب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

کاٹتی رہتی ہے کتنی، گھر کی انگنائی نہ پوچھ
"کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ

حال پتلا ہوگیا ہر شاعرِ دلگیر کا
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا"

(۱۹۷۶ء)

اِنٹرویو

"آپ کی تعلیم؟" "بی اے پاس ہوں عالیجناب!"
"مکبی نیشن؟" "ہسٹری، اردو ادب، علم الحساب!"

"ہسٹری؟ اچھا تو یہ کہیے اشوکا کون تھا؟"
"پاٹلی پترا کے شاہنشاہ، اکبر کا چچا"

"اور یہ فرمایئے وکٹوریہ کس کا ہے نام؟"
"پالکی گاڑی سواری کے لئے جیسے ٹرام!"

"کون الجبرا کا موجد ہے بتایئں تو ذرا؟"
"موجد اس کا الجزائر میں کوئی ڈیگال تھا"

"اور اُقلیدس اُپج ہے کس ستم ایجاد کی؟"
"وہ تو اک تخلیق بے تمثیل ہے فرہاد کی!"

"یہ تو کہیے چانگ کائی شیک کس کا نام ہے؟"
"فارسی میں شیخ سعدی کا وہ عرف عام ہے"

"میرزا غالب کے بارے میں بھی ہیں کچھ جانتے؟"
"کیوں نہیں؟ ہم شاعر اعظم ہیں ان کو مانتے"

"ذوق کے شاگرد ہیں ہم عصر میر و شاد ہیں
شاہنامے کے مصنّف ہیں، جگت استاد ہیں"

"خوب! کوئی شعر ان کا یاد تو ہوگا ضرور؟"
"ایک کیا؟ سنیئے پچاسوں شعر پڑھتا ہوں حضور!"

"گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیِ پروانہ ہے"

"شکریہ! حاضر جوابی آپ کی ہے بے نظیر
آپ آگے چل کے بن سکتے ہیں اک اچھے وزیر"

ماسٹر پلان

مَیں ہر طرح سے خرّم و آسودہ حال تھا
جس وقت ابتدا ہوئی پہلے پلان کی

جاپانی طرزِ کاشت کا ہوتا گیا فروغ
قیمت بھی ساتھ ساتھ بڑھی جَو کی دھان کی

جب دوسرا پلان چلا زور و شور سے
ہر شئے فروخت ہو گئی اپنے مکان کی

اور تیسرے پلان کے عرصہ میں رات دن
مٹی میں ساکھ ملتی رہی خاندان کی

چوتھا پلان جلد ہی ہونے کو ہے شروع
اب کے نہ تن کی خیر ہے اپنے نہ جان کی

سندری کے کارخانے میں ختمِ پلان تک
تیار ہو گی کھاد مرے اُستخوان کی

غالب صدی اور اردو

"اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے"
یعنی اُردوئے معلّٰی کا مآل اچھا ہے
بات کڑوی سہی لیکن ہمیں کہنے دیجے
"دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"
جشنِ غالب نے جو بخشی ہے ذرا سی رونق
"وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے"

انٹلکچوئل

تھا حسنِ اتفاق کہ "ٹی کورنر" میں کل
قسمت سے میری مل گئے اک انٹلکچوئل

بیٹھے ہوئے تھے زاویۂ قائمہ بنے
جیسے محاذ پر ہو کوئی فیلڈ مارشل

رکھا تھا پورٹ فولیو بیگ ایک میز پر
اور اس سے متصل تھیں کتابیں ڈبل ڈبل

موٹی سی میگزین بھی تھی اک دھری ہوئی
جس کے سرِ ورق پہ تھے "سر جون مائیکل"

یوں عالمِ خیال میں ڈوبے ہوئے تھے آپ
جیسے دماغ میں ہو کسی مسئلے کا حل

اُلجھے ہوئے تھے بال حجامت بھی تھی بڑھی
چہرے پہ ادّعائے متانت، جبین پہ بل

مَیں نے بصد خلوص و ادب چائے پیش کی
اور اس کے بعد آیا رُخِ گفتگو نکل

موسم کے تذکرے سے چلی بات ادب کی سمت
اپنی جگہ پہ آپ کا ہر قول تھا اٹل

ہر بات میں کہیں کا حوالہ ضرور تھا
اس سے غرض نہ تھی کہ حوالہ ہو برمحل

اردو کے ارتقا کی طرف بات جب مُڑی
کہنے لگے کہ تیز ہے رفتار آج کل

مَیں نے کہا کہ ذہن ابھی تک غلام ہیں
جاتا نہیں دماغ سے تقلید کا خلل

افکار مستعار ہیں، تخئیل مستعار
ہر نکتہ بے مقام ہے ہر لفظ بے محل

تنقید چیر پھاڑ ہے، تحقیق کھود کھاد
چلتے ہیں یوں قلم کہ چلے جس طرح سے ہل

افسانوں کے مزاج میں افسانہ پن نہیں
اس شُترِ بے مہار کی سیدھی ہے کون کل

پریوں کے بدلے اس میں مشینوں کا ناچ ہے
اک جوٹ مل بنا ہے پری خانۂ غزل

پہلے تھا فارسی کے تتبع پر افتخار
اب مغربی ادب کی غلامی ہے بے خلل

بولے فضول آپ نہ بکواس کیجیے
اب کاروانِ فکر کی راہیں گئیں بدل

مَیں نے کہا کہ چند ادیبوں کا نام لیں
اپنی ڈگر بنا کے جو چلتے ہیں آج کل

بولے کہ ایک موسیو ژاں پال سارتر
جس نے بنا دیا ہے ہمیں انٹلکچوئل

اور دوسرا ہے جمیس جوائس ادیبِ عصر
پرزے دل و دماغ کے دیتا ہے جو بدل

مَیں نے کہا، حضور یہ اُردو کا تھا سوال
بولے کہ آپ بحث کریں مجھ سے یہ مجال؟

جنرل اسپتال

ہمارے شہر میں ہیں چند خاص خاص مقام
انھی میں آتا ہے اک جنرل اسپتال کا نام

معالجوں کی تجارت کا یہ شہیرۂ بازار
جہاں مریض کی ہوتی ہے زندگی نیلام

بلیک مارکٹنگ اس جگہ نہیں ہوتی
خریدتے ہیں یہاں لوگ موت سستے دام

یہاں پہ چشمۂ حیواں کی اصطلاح ہے مرگ
یہاں مریض کو ملتی ہے زندگیِ دوام

یہاں جو سابقہ پڑتا ہے ماہرِ فن سے
تو بھول جاتے ہیں بیمار "شفاکلوک" کا نام

یہاں کا تھرمامیٹر ہے ہر اک مریض کا پرس
یہاں پہ جیب کترتا ہے ایک نسخۂ عام

کوئی غریب جو اس جال میں پھنسا تو گیا
طلسمِ ہوش رُبا سے نہیں ہے کم یہ مقام

عوض علاج کے جانچوں کا سلسلہ جو چلا
رپورٹ آنے سے پہلے ہی ہو گیا وہ تمام

سدا بہار ہے ہر دم یہ کشتِ عزرائیل
ہر ایک وارڈ ہے کھلیان، مقبرے گودام

ہر ایک نرس یہاں موت کی سہیلی ہے
بڑے خلوص سے کرتی ہے اس کا سارا کام

مریضِ دل کی تمنا معالجوں کی طبیب
علاجِ دردِ محبت ہے جس کا مقصدِ عام

بڑے تپاک سے کرتی ہے عشق کی نرسنگ
ملیریا میں کوئی جیسے لے کونین سے کام

مگر جو وارڈ کے بیمار اس کے چارج میں ہیں
انھیں، ہے چین نہ دن کو نہ رات کو آرام

کوئی ہے درد کی تکلیف سے نڈھال پڑا
کسی کو تیزیِ تپ سے ہے دورۂ سرسام

کبھی دوا کی جگہ جھڑکیوں کے نشتر ہیں ہے غفلتِ ملک الموت پر کبھی الزام

ہر اک مرض کی دوا جیسے ہو درود شریف اسی طرح سے یہاں پر ہے ڈانٹ نسخۂ عام

یہ تجربہ ہے مرا خاص ایک بار یہاں ڈسنٹری میں بھی مجھ کو ملی دوائے زکام

مریضِ دردِ محبت اگرچہ ہے واہی

مگر یہاں کے مسیحا کو دور ہی سے سلام

(۱۹۵۰ء)

لیڈری کا نسخہ

وہ لوگ آج کل جنھیں فکرِ معاش ہے
آسودگیِ زیست کی جن کو تلاش ہے
اس کے عوض کہ جا کے کہیں نوکری کریں
واہیؔ کا مشورہ ہے کہ وہ لیڈری کریں
معجون لیڈری کا بڑا کامیاب ہے
نسخہ یہ کسبِ زر کے لئے لاجواب ہے

انمول ہے یہ جنسِ تجارت کے واسطے
ترکیب لکھ رہا ہوں سہولت کے واسطے

ایمان اور ضمیر کو پہلے کھرل کریں
اور اس کے بعد خونِ حمیت میں حل کریں
تخمِ ریا کو عقل کے کانٹے پہ تول لیں
سازش کا زہر، شہدِ فصاحت میں گھول لیں
بادامِ خلق و پستۂ تہذیب بیس، لیں
دونوں کو خوب سِل پہ شقاوت کے پیس لیں
پھر اس میں سفید جھوٹ کا پانی ملائیں پھر
حرص و ہوس کی آنچ پہ سب کو پکائیں پھر
جوشاندہ جب اُبال پہ آئے اُتار لیں
اور اس کو پھر دماغ کی بوتل میں گار لیں
قندِ سیاہ فرقہ پرستی ملائیں پھر
اور کوششِ ضعیف کو اپنی کھلائیں پھر
بیمار کو غذائے مقوی بھی چاہیئے
تھوڑی سی مرغِ روح کی یخنی بھی چاہیئے

انڈے بھی کچھ حسد کے ہوں لحمِ خودی کے ساتھ
دونوں کو کھائیں بغض و عداوت کے گھی کے ساتھ

دیکھیں دوا کا معجزہ فضلِ خدا سے پھر
بیمار نا امید نہ ہو گا شفا سے پھر

صحت کا خوں رگوں میں اُچھلنے لگے گا پھر
عزمِ ضعیف اُٹھ کے ٹہلنے لگے گا پھر

ٹھوکر سے اپنی فتنۂ محشر جگائے گا
اور ملک پر عذاب خدا بن کے چھائے گا

تخمِ ہوس سماج کی کھیتی میں بوئے گا
طوفان بن کے قوم کا بیڑا ڈبوئے گا

پھر تو قدم کو چومے گا اقبال باربار
قربان اس پہ ہوں گے مہ و سال باربار

دولت کنیز بن کے خواصی میں آئے گی
لچھمی خود اس کے ماتھے پہ چندن لگائے گی

(۱۹۵۰ء)

لال فیتہ

ملک میں سانپ کی قسموں کا نہیں کوئی شمار
رینگنے والا ہے کوئی ، تو کوئی ہے پردار
مثل افعی ہے سیاست کا گلوبند کوئی
بن کے ناگن کوئی تہذیب کی گردن کا ہار
کوبرا یوں تو ہے ہر سانپ سے زیادہ موذی
کاٹ سے جس کی ہے انسان کا بچنا دشوار
ہم نے اک اور نئے سانپ کو دیکھا ہے مگر
زہر کی جس کے ہر اک بوند ہلاکت بہ کنار
کاٹ اس سانپ کی ہے زہر ہلاہل سے بھی تیز
اس کا سونگھا ہوا بچتا نہیں کوئی زنہار

اس کا خم زلف حسیناں سے زیادہ پُر پیچ
اس کی دُم ابروئے جاناں سے زیادہ خم دار
لال فیتہ ہے وہ معشوقِ ستم گر واہی
فیض سے جس کے ہر آفس ہے نوابی دربار

کتنے احکام ہوئے اس کے خم و پیچ میں قید
کتنی اسکیمیں ہوئیں اس کے تغافل پہ نثار
لال فیتے کا ہوا بند کفن جس کو نصیب
اس کی قسمت میں ہے آفس کی درازوں کا مزار
کسی درخواست کا جب تک کہ نہ ہووے چہلم
فاتحہ خواں نہیں ہوتا قلم خوش رفتار

حکم پنشن کا دفاتر سے ہے چلتا اس وقت
جب پہونچ جاتے ہیں تا ملکِ عدم پنشن خوار

لال فیتے ہیں دفاتر کی دماغی اُلجھن
جس کے اک پیچ میں سو فلسفۂ لیل و نہار
لال فیتے ہیں کلرکوں کی طبیعت کی گرہ
ناخن سعی سے بھی جو نہیں کھلتی زنہار
لال فیتے کے تبسم میں تمنا کا لہو
لال فیتے کے شکنجے میں امیدوں کا فشار
لال فیتے نہیں، لیتے ہیں غریبوں کا سلام
لال فیتے نہیں، سنتے ہیں یتیموں کی پکار

لال فیتے کو ہٹایا گیا اُجلا جوڑا
پھر بھی ہے رنگ طبیعت کا ابھی تک خونخوار

ماہرِ فن

کیوں نہ مشہورِ زمانہ ہو ہمارا اسپتال — کارخانہ ہے یہاں کا بے نظیر و بے مثال
آپ جس شعبہ میں بھی جائیں بھرے ہیں ہر جگہ — ایک سے اِک ماہرِ فن ایک سے اک باکمال
ایک بار اٹھا مرے دانتوں میں جب شدت کا درد — پاؤ روٹی کی طرح پھولے چپاتی جیسے گال
رات بھر میں ہو گئی حالت کچھ اس درجہ سقیم — صبح کو رکشا پہ پہنچایا گیا میں اسپتال
دانت کے مشہور سرجن کے یہاں پیشی ہوئی — جس نے کی ہر زاویئے سے میرے منہ کی دیکھ بھال
ہاتھ میں بندر کے ہو جس طرح کوئی ناریل — یوں ہی تھوڑی دیر تک ہوتا رہا میرا بھی حال
فِٹ کیا پھر کوئی آلہ دونوں لب یوں چیر کر — منہ میں آسکتا تھا آسانی سے اک ٹینس کا بال
بعد اس کے ایک انجکشن مسوڑھے میں دیا — جس سے آیا درد کی شدت میں تدریجاً زوال
اور پھر تو ایک چمٹے سے پکڑ کر دانت کو — ماہرِ فن نے دکھایا اپنے فن کا یوں کمال
چند ہی جھٹکوں میں باہر آگیا کمبخت دانت — جس نے کر رکھا تھا یوں میری طبیعت کو نڈھال
میں دعا دیتا ہوا سرجن کو، گھر واپس گیا — مرحبا یہ اشعار بھی موزوں ہوئے کچھ حسبِ حال
لیکن انجکشن کا جیسے ہی اثر زائل ہوا — درد کی تکلیف نے پھر آکے پوچھا حال چال
میں نے آئینہ جو دیکھا تو حقیقت کھل گئی — ماہرِ فن نے دکھایا تھا کرشمہ بے مثال

درد تھا نیچے مسوڑھے میں مگر اُستاد نے
دانت اُوپر کا اُکھاڑا - واہ رے فن کا کمال

(۱۹۵۰ء)

ریل کا سفر

درپیش اچانک جو ہوئی ایک ضرورت — واہی سے ہوئی ریل پہ چڑھنے کی حماقت

آدھمکی ذرا وقت سے پہلے ہی وہ گاڑی — واہی نے گھڑی دیکھی تو لاحق ہوئی حیرت

حیرت تھی کہ تعجیل کی کیا وجہ ہے آخر — تاخیر تو ہے ریل کی دیرینہ روایت

القصہ ٹکٹ منزلِ مقصود کا لے کر — اسباب لئے دوڑ کے پہنچا وہ بہ عجلت

آگے سے بھی پیچھے سے بھی کھاتا ہوا دھکّے — داخل ہوا اک چھوٹے سے ڈبے میں بہ دقّت

ڈبہ تھا کہ اک گنجِ شہیداں کا نمونہ — تھوڑی سی جگہ تنگ تراز گوشۂ تربت

تربت میں مگر پاؤں تو پھیلاتے ہیں مردے — زندوں کو نہیں ریل میں اتنی بھی سہولت

اسباب پہ بیٹھا تھا کوئی ٹانگ اڑائے — کھڑکی پہ کھڑا تھا کوئی دیوار کی صورت

اس بھیڑ میں گنجائشِ الفاظ کہاں تھی — الفاظ بھی ہونٹوں سے نکلتے تھے بہ دقّت

تھا دم بخود اک گوشے میں سمٹا ہوا واہی — کم بخت کو تھی سانس کے لینے کی ضرورت

اور سانس کے لینے کا نہ تھا کوئی بھی امکاں — تھی بند ہوا آکسیجن کی تھی یہ قلّت

تھے ایک بزرگ اس کے مقابل میں جو بیٹھے — دیکھی نہ گئی ان سے جو واہی کی یہ حالت

فرمانے لگے آپ کہاں جاؤ گے بھیّا — برداشت بھی کر پاؤ گے رستے کی صعوبت

یہ ریل نہیں حضرت سودا کی ہے گھوڑی — دو روز میں طے کرتی ہے اک دن کی مسافت

کل اس کو پہنچنا تھا جہاں آج ہے پہنچی — چوبیس پہر لیٹ ہے اللہ ری سُرعت

مَیں اپنی تباہی کا بیاں کیا کروں بھیّا — پٹنہ میں تھی کل میرے مقدمے کی سماعت

پٹنہ ہے مگر آج بھی دلّی کی طرح دُور — روتی ہے مری شامت اعمال کو قسمت

یہ سنتے ہی کان اس کے کھڑے ہو گئے فوراً — کی عرض کہ یہ آپ نے کیا کہہ دیا حضرت

میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہے وقت پہ آئی — چوبیس پہر لیٹ ؟ قیامت ہے قیامت

بولے وہ بزرگ آپ بڑے سادہ ہیں بھیّا — ہم لوگ کسی کام میں کرتے نہیں عجلت

معلوم نہیں آپ کو یہ نکتۂ تاریخ ؟ — جو قوم کی خصلت ہے وہی ریل کی خصلت

وہ ریل کی رفتار ہو یا وقت کی رفتار — اس ملک میں دونوں کو تساہل کی ہے عادت

پابندیِ اوقات میں ہے رنگِ غلامی
آزاد ہوا ہند تو کیا اس کی ضرورت

(۱۹۵۶ء)

وفاتی

شاعروں میں چند ایسے بھی ہیں اصحابِ کمال — قطعۂ تاریخ لکھنے میں نہیں جن کی مثال
کون کب مرتا ہے رہتے ہیں اسی کی تاک میں — چھائی رہتی ہے سدا کافور کی بو ناک میں
شہر کے ہر گورکن سے دوستی ہے آپ کی — تاکہ مرحومین کی تعداد سے ہو آگہی
اِس طرف کوئی عدم آباد کی جانب گیا — جھٹ اُدھر اُگلا قلم نے مادّہ تاریخ کا
جس قدر آبادیاں بڑھتی ہیں قبرستان کی — بڑھتی جاتی ہے ضخامت آپکے دیوان کی
ڈھونڈ کر پڑھتے ہیں اخباروں میں ایسی ہی خبر — کون بیچارہ اُٹھا دنیا سے، اُجڑا کس کا گھر
کوئی دلّی میں مرے یا فوت ہو بنگال میں — چند قطعے آپ لکھیں گے مگر ہر حال میں

صاف آتی ہے صدا یہ مادّہ کے ساز سے
کتنا ہم آہنگ ہوں میں روح کی پرواز سے

فصل میں برسات کی جب پھیلتا ہے کالرا — آپ کی مشقِ سخن پر اور ہوتی ہے جلا

جب بھی دیکھو ابجد و ہوّز کیا کرتے ہیں آپ
درجنوں قطعات روزانہ لکھا کرتے ہیں آپ

گر کبھی بہرِ عیادت آپ جاتے ہیں کہیں
دیکھ کر دم توڑتے بیمار کا حالِ حزیں

سورۂ یٰسین پڑھنے کے عوض باشدّومد
جوڑنے لگتے ہیں بس تاریخِ رحلت کے عدد

تخرجہ اور تعمیہ سے مسئلہ ہوتا ہے حل
مادّہ تاریخ کا فی الفور آتا ہے نکل

گھر میں اک کہرام ہے سب لوگ ہیں غم سے نڈھال
پر خوشی ہے آپ کو تاریخ نکلی بے مثال

فی زمانہ کس کو ہوگا اس قدر فن سے لگاؤ؟
آپ ہی تک بس ہے اس صنفِ سخن کا رکھ رکھاؤ

(۱۹۶۳ء)

تبصرہ نگاری

وہ جو ہوٹل میں چکھ رہے ہیں کباب
سامنے رکھ کے اک دبیز کتاب

آیئے مَیں بتاؤں کیا ہیں آپ
ماہرِ فنِّ تبصرہ ہیں آپ

ایک گھنٹہ میں دس کتابوں پر
آپ لکھتے ہیں تبصرے فرفر

ادب و فلسفہ و علم کلام
سارے موضوع آپ کے ہیں غلام

لاکھ موٹی سہی کتاب مگر
سرِ ورق دیکھتے ہی ایک نظر

آپ کا خامۂ گہر افشاں
ہونے لگتا ہے دفعتاً جولاں

بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا بھی
بُو کتابوں کی دور سے سونگھی

اور جھٹ سے سنبھال کر خامہ
فکر کو فن کا دے دیا جامہ

یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کا فن
ان کتابوں پہ بھی ہے خامہ زن

طبع ہونے کی بات دور رہی
بطنِ فن کار میں جو گم ہیں ابھی

مَیں نے اک روز ان سے یہ پوچھا
میرے حضرت بتایئے تو ذرا

آپ ہر قسم کی کتابوں پر
لکھتے رہتے ہیں تبصرہ کیوں کر

وقت اتنا کہاں سے لاتے ہیں
جوہرِ فن جو یوں دکھاتے ہیں

کرتے ہیں کب مطالعہ حضرت   کیسے ملتی ہے اس قدر فرصت
ہنس کے بولے مطالعہ کیسا ؟
پڑھ کے لکھا تو تبصرہ کیسا ؟

فنِ تجرید کا یہ فیضان ہے   کارِ مشکل جو سہل و آساں ہے
زورِ ابہام کا بڑھا جب سے   میرے فن کو ملی جِلا تب سے
اب تو ہر آرٹ کا ہے یہ دستور   بات جس درجہ بھی ہو فہم سے دور
ہو گی مقبولِ خاص و عام وہی   سر دُھنیں گے اسی پہ آپ سبھی
کسی موضوع پر ہو کوئی کتاب   نظم ہو نثر ہو کہ علمِ حساب
تبصرہ کے لئے جب، آتی ہے   میری تخئیل رنگ لاتی ہے
فنِ تجرید کا دکھا کے کمال   مبہم الفاظ کا بچھا کر جال
کچھ خیالات، مثبت و منفی   کچھ اشارات، منجلی و خفی
مغربی ناقدوں کے کچھ فقرے   چند اقوال سربراہوں کے
کچھ اِدھر کچھ اُدھر سے لیتا ہوں   اور مضموں گھسیٹ دیتا ہوں
اصل میں تبصرہ نگاری کا   فن بھی اک کھیل ہے مداری کا
تھی ابھی ان سے گفتگو جاری   اور مجھ پر تھی محویت طاری
اتنے میں سامنے سے اک لڑکا   گنگناتا ہوا یہ شعر گیا

نہ محقق بود نہ دانش مند
چارپائے بر و کتابے چند

(۱۹۶۳ء)

نئے لیڈر کی دعا

بھگوان مرے دل کو وہ زندہ تمنا دے
جو حرص کو بھڑکا دے اور جیب کو گرما دے

وادیِ سیاست کے اس ذرّے کو چمکا دے
اس خادمِ ادنیٰ کو اک کرسیِ اعلیٰ دے

اوروں کا جو حصہ ہے مجھ کو وہی داتا دے
محروم بتاشہ ہوں تو پوری وحلوا دے

ہاں مُرغِ مسلّم دے ہاں گرم پراٹھا دے
سوکھی ہوئی آنتوں کو فوراً ہی جو چکنا دے

تحریر میں چُستی دے تقریر میں گرمی دے
جنتا کو جو پھسلا لے اور قوم کو بہکا دے

کرسیِ وزارت پر اک جست میں چڑھ جاؤں
تدبیر کو پھرتی دے تقدیر کو جھٹکا دے

سکھلا دے مجھے داتا وہ رازِ جہاں بانی
قطرے سے جو دریا لے، دریا کو جو قطرہ دے

مفلس کی لنگوٹی تک باتوں میں اُتروا لوں
احسان کے پردے میں چوری کا سلیقہ دے

قاتل کی طبیعت کو بسمل کی ادا سکھلا
خونریزی کے جذبے کو ہمدردی کا پردا دے

تھوڑی سی جو غیرت ہے وہ بھی نہ رہے باقی
احساس حمیت کو اس دل سے نکلوا دے

القصہ مرے مالک تجھ سے یہ گذارش ہے
مُرغی وہ عنایت ہو سونے کا جو انڈا دے

(۱۹۵۲ء)

•

ایک اشتہار

جو لوگ چاہتے ہیں سیاست کا بیوپار — یعنی کے بلدیہ کے ٹکٹ کے ہیں خواستگار
درخواست دیتے وقت پڑھیں خوب غور سے — تصنیف کر رہا ہوں جو مضمونِ اشتہار
گر حسبِ ذیل وصف میں پورے اُتر گئے — بیڑا خدا کے فضل سے ہو گا ضرور پار
لازم ہے یہ کہ ظاہر و باطن میں فرق ہو — ورنہ کبھی نہ جیت سکے گا امیدوار
لب پر ہو رام رام بغل میں چھری رہے — چہرہ "کلین شیوڈ" مگر دل میں ہو غبار
انسانیت کے درد میں ڈوبا ہوا سخن — لیکن عمل کی راہ میں انسانیت شکار
خونِ حیا سے کشتِ تمنا ہری رہے — رنگِ صفا سے دامنِ دل ہو نہ داغدار
کردار میں خلوص کی بُو باس بھی نہ ہو — سچائی کے فریب میں آئے نہ زینہار
ایمان سے ہو بغض، حمیت سے دشمنی — آزادئ ضمیر و خودی بیچ دے ادھار
شیرہ کے کاروبار میں پیسے ملے ہوں خوب — اور چل رہا ہو خیر سے لوہے کا روزگار
سپلائی کے کلرک سے گانٹھی ہو دوستی — پرمٹ کے ٹھوک مال کا کرتا ہو بیوپار

دعوت میں چھوت چھات سے پرہیز ہو مگر
ہوں دل میں ذات پات کے اصنام بے شمار

تسبیح میں ہو پیچ تو زنّار میں گرہ
مکڑے کا جال بُن کے پھنساتا رہے شکار

رشوت کے مول تول میں دارو غہ جی کے ساتھ
ہر واردات میں ہو برابر کا حصّہ دار

دائر ہو کوئی کیس تو مجرم کا ساتھ دے
جھوٹی گواہی دینے میں آئے ذرا نہ عار

سمجھا کرے عوام کو زرخیز کھیتیاں
اور آپ بن کے بیٹھ رہے ان کا کاشتکار

جس میں یہ خوبیاں نہ ہوں وہ مردِ بے شعور
پھر کیوں ہو بلدیہ کے ٹکٹ کا امیدوار

(۱۹۵۴ء)

اپیل

امیدوار تھا وہ اسمبلی ممبری کے لئے
کہ شارٹ کٹ ہے یہی اک تونگری کے لئے
مگر بہ فیضِ حریفاں اسے ٹکٹ نہ ملا
پھنسا جو کہرِ سیاست میں شارٹ کٹ نہ ملا
اپیل بورڈ میں پہونچا تو یوں شکایت کی
حضور! کی نہ گئی قدر میری خدمت کی
یہ خودستائی نہیں بلکہ ہے حقیقتِ حال
کسی حریف سے کمتر نہیں مرے اعمال
وہ سارے گُن جو ہیں معیار لیڈری کے لئے
وہ سارے وصف جو لازم ہیں رہبری کیلئے
ہیں اس غلام کی فطرت میں اس طرح موجود
کہ جیسے دودھ میں چینی ہو اور تار میں پود
عوام دشمنی پیشہ رہا ہے مدت سے
تمام عمر لڑا ہوں حق و صداقت سے

مری گرفت میں رہتے ہیں سادہ لوح عوام
مَیں اُن کے نام کو کرتا ہوں رات دن نیلام
زبانِ تیز سے تقریر گرم کرتا ہوں
اور اس کی آنچ سے لوہے کو نرم کرتا ہوں
کبھی جو خدمتِ قومی کا بار لیتا ہوں
تو مُفلسوں کی لنگوٹی اُتار لیتا ہوں
مری سرشت میں داخل ہے چوربازاری
مری بہشت ہے بازارِ حرص و مکّاری
خدا کے فضل سے راشن کا روزگار بھی ہے
بسیں بھی چلتی ہیں خادم کے پاس کار بھی ہے
منافع خور بھی ہوں اور سود خوار بھی ہوں
خدا پرست بھی ہوں اور خدا کی مار بھی ہوں
مَیں چور بھی ہوں ڈکیتوں کا سرغنہ بھی ہوں
میں رہزنوں کا معلّم بھی رہنما بھی ہوں
بڑی صفائی سے کر کے ذخیرہ اندوزی
اکال میں بھی مناتا ہوں جشنِ فیروزی
غرضکہ منبعِ اوصاف ہے یہ خادمِ قوم
خدا کے واسطے بھولیں نہ اس کو ناظمِ قوم

(۱۹۵۴ء)

الکشن

پھر اک نئے الکشن کا آ چلا زمانہ / پھر لیڈروں کے لب پر جنتا کا ہے ترانہ

تقدیر کے جواری عشرت کدوں سے نکلے / کُھلنے لگا سیاست کا پھر قمار خانہ

جلسے، جلوس، بھاشن، ہڑتال اور سلوگن / ہر فعل ابلہانہ ، ہر قول شاطرانہ

نیلام ہو رہی ہے جنتا کی پھر لنگوٹی / دن رات کھل رہا ہے چندوں کا کارخانہ

پھر نرم ہو رہا ہے نیتاؤں کا رویّہ / پھر گرم ہو رہا ہے باتوں کا چانڈو خانہ

پھر مکر و زور اپنے جادو جگا رہے ہیں / افسونِ خوش مزاجی بُنتا ہے پھر فسانہ

جتنے بلیکیئے تھے بگلا بھگت بنے ہیں / ملتے ہیں ووٹروں سے جا جا کے فدویانہ

پھر بن رہا ہے کھٹے انگور کا مُربّہ / گُڑ ڈالتی ہے اس میں شانِ مربیانہ

بھوکوں کو مل رہی ہے وعدوں کی گرم روٹی / حلوے سے کم نہیں ہیں الفاظ مشفقانہ

صیاد و صید دونوں ہیں اپنی اپنی دُھن میں
بُنتا ہے جال کوئی ، چنتا ہے کوئی دانہ

(۱۹۵۷ء)

بلیڈ

علی الصباح چوں مردم بہ کاروبار روند
بلاکشانِ محبت بہ کوئے یار روند

مگر میں صبح کو ہر روز شیو کرتا ہوں
اور اس عمل کے نتیجے میں آہیں بھرتا ہوں

یہ آہِ سرد عطیہ نہیں محبّت کا
کہ اب تو بیت چکا ہے وہ دورِ وحشت کا

بلیڈ سیفٹی ریزر میں جب لگاتا ہوں
تو مارے خوفِ اذیت کے کانپ جاتا ہوں

وہ ایک لوہے کی پتی کہ جس میں دھار نہ ہو
چلے جو رُخ پہ تو کیوں دل میں خلفشار نہ ہو

ہزار سیفٹی ریزر لگائے جائے طواف
جو کھونٹیاں نکل آئی ہیں وہ نہ ہونگی صاف

ادھر بلیڈ نے کی موئے ریش پر یلغار
لہو لہان ہوئے اس طرف مرے رخسار

مبالغہ تو ہے لیکن سوا نہیں حد سے
جو بال سامنے آیا نکل گیا زد سے

جگہ جگہ سے زمیں جلد کی فگار ہوئی
وہ رن پڑا کہ فضا رشکِ لالہ زار ہوئی

جدید آرٹ کا شہکار رچا بہ جا رُخ پر
کہیں دوآبہ کہیں آبنائے کا منظر

کہیں پہ ایک خطِ مستقیم پیدا ہے
کہیں پہ ایک جزیرا نما ہویدا ہے

بھلا ہو ملک کے ان ماہرینِ حرفت کا — بلند کرنے لگے ہیں جو نام بھارت کا
دکھا رہے ہیں جو اپنا کرشمۂ ایجاد — ہیں جن کے دم سے منافع کی منڈیاں آباد
یہ انفرادیت ان کی ہے لائقِ تحسیں — بلیڈ بھی جو بنایا تو اس میں دھار نہیں
عجب نہیں، کہ یہ مقصد ہو ان کے پیشِ نظر — دکھائے جائیں زمانہ کو صبر کے جوہر
یہ مدعا ہو کہ ہم مشقِ ضبطِ نفس کریں — ہزار زخم لگیں پر نہ آہِ سرد بھریں
جو ہوگی عارض و رخ پر جراحتوں کی کاشت — بڑھے گی پھر تو بتدریج قوتِ برداشت
سلیقہ آئے گا مر مر کے جیتے رہنے کا — تمام عمر ستم ہائے وقت سہنے کا
ہے مسئلے کا مگر ایک اور رُخ بھی اہم — کہ جس پہ غور کریں اہلِ فکر ہو کے بہم
جب اک بلیڈ بھی ہم کام کا بنا نہ سکیں — تو فتحِ عالمِ امکاں کا خواب کیوں دیکھیں
بلیڈ کی یہ خرابی تو اک علامت ہے — کہ کس ڈگر پہ رواں کاروانِ صنعت ہے

بتائیں آپ کو ہم اس کا حشر کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

(۱۹۶۷ء)

چاند اور شاعر

دے کے انجام اپنے ہاتھوں کارہائے بے نظیر
چاند سے واپس جب آئے ابنِ آدم کے سفیر

شاعروں کی آبرو مٹی میں مل کر رہ گئی
لائے معلومات کچھ ایسی خلا کے راہ گیر

چاند اک پُرہول سناٹا ہے بے برگ و شجر
سرزمیں غاروں کی، چٹانوں کی، بیجان و حقیر

اک کرہ بیگانۂ آب و ہوا، نامہرباں
گرم دوزخ کی طرح اور سرد مثلِ زمہریر

سن کے یہ احوال شاعر پڑ گئے خلجان میں
بجتے بجتے رک گئی ان کے تخیّل کی نفیر

پہلے ہر شاعر بنا پھرتا تھا اک "تحقیق گھر"
چاند کے بارے میں تھا اس کا تصوّر بے نظیر

چودھویں کا چاند کہتا کوئی روئے یار کو
خواہ عارض پر مہاسوں کی ہو تعدادِ کثیر

ماہِ نو کو ابروئے محبوب کہتا تھا کوئی
تھا کسی شاعر کا دلبر روکشِ بدرِ منیر

ان خلابازوں نے حیف اس کو الٹ کر رکھ دیا
پک رہی تھی شعر کی ہانڈی میں ندرت سے جو کھیر

چاند سے تشبیہ دیں اب کس طرح معشوق کو
وہ تو اک پُرہول ویرانہ ہے آپ اپنا اسیر

یہ کھلی تضحیک ہے محبوب کی دلدار کی
'ماہ وش' کہنا اسے گویا سمجھنا ہے حقیر

حوصلہ کس میں ہے جو اب حسن کو رسوا کرے　　　کس کی شامت ہے جو دلبر کو کہے بدرِ منیر

چاند کو اب راندۂ اشعار کرنے کیلئے
اک محقق کے قلم کی زد میں ہے دیوانِ میرؔ

ہاں مگر دو چار ٹیڈی شاعروں کو ہے خوشی　　　چاند کی فطرت سے ہم آہنگ ہے ان کا ضمیر
وادیٔ حیرت کا پُر اسرار راہی ماہتاب　　　وادیِ ظلمات و تنہائی کے یہ بھی راہ گیر
ذہن ایسے شاعروں کا یوں ہی محرومِ نمو　　　چاند جیسے ایک بنجر شے بہ دوشِ چرخِ پیر
اک بھیانک خامشی کا چاند پر جیسے غبار　　　یوں ہی ان کی فکر کے محبس سے اٹھتا ہے خمیر
چاند کے سینہ پہ نوکیلی چٹانیں جس طرح　　　یوں ہی ان کی شاعری بے جان پتھر کی لکیر

الغرض جغرافیہ دونوں کا ہے ملتا ہوا
دونوں اپنی ذات کی بے چہرگی میں ہیں اسیر

(۱۹۶۹ء)

چاند اور محبوب

اے ناقدو، اے داد رسو، وقتِ دعا ہے
آفت میں گرفتار گروہِ شعرا ہے

جس وقت سے مہتاب پہ اُترا ہے اپولو
اور رازِ دروں چاند کا معلوم ہوا ہے

یعنی کہ وہ مجہول سی اک شئے ہے فلک پر
ماحول کوئی ہے نہ وہاں کوئی فضا ہے

جاندار کوئی جا کے وہاں رہ نہیں سکتا
یعنی کہ وہ اک خطّۂ بے آب و ہوا ہے

مُنھ کھولے ہوئے چار طرف غار پڑے ہیں
ہر گام پہ بد رنگ چٹانوں کی جٹا ہے

مانگے کے اجالے پہ وہ کرتا ہے گذارا
اپنا نہ کوئی حسن ہے اپنی نہ ادا ہے

جب سے یہ خبر عام ہوئی روئے زمیں پر
ہر شاعرِ بدبخت کا معشوق خفا ہے

دیتا رہا محبوب کو تشبیہ قمر سے
اس جرم پہ معتوب گروہِ شعرا ہے

اشعار کے پردے میں اُڑایا ہے تمسخُر
شاعر نے جو مہوش کا لقب اسکو دیا ہے

مہتاب کہاں اور کہاں پیکرِ محبوب
یہ حُسن پہ تہمت ہے کہ وہ ماہ لقا ہے

رہ رہ کے جو یاد آتے ہیں تضحیک کے پہلو
منھ اپنا لپیٹے کوئی بستر پہ پڑا ہے

جوشِ غضب و غیظ کو سینہ میں دبائے
انگلی کوئی دانتوں سے کھڑا کاٹ رہا ہے

سنتے ہیں کہ دعویٰ کسی معشوق نے دائر
حیثیتِ عرفی کے ازالہ کا کیا ہے

بھولے سے بھی شاعر کو کوئی منھ نہ لگائے
یہ فیصلۂ عام حسینوں کا ہوا ہے

کوچے میں اگر آئے تو چالان ہو اس کا
درباں کے عوض در پہ پولس مین کھڑا ہے

شاعر کے خلاف ان کی مہم اور ہوئی تیز
موقع جو رقیبوں کو خداداد ملا ہے

الغصہ بری طرح سے نرغے میں ہے شاعر
تشبیہ غلط دے کے مصیبت میں پھنسا ہے

(۱۹۶۹ء)

زبان

کل اتفاق سے جب میں اسمبلی پہنچا   تھی ابتدا ابھی کاموں کی ہو رہے تھے سوال
کوئی سوال کسی ایک رکن نے پوچھا   جواب دینے کو اٹھے وزیرِ نیک خصال
پڑھی انھوں نے کوئی ایک چیز پرچے سے   سُنا سبھوں نے مگر وائے شامتِ اعمال
جواب خاک کسی کی سمجھ میں آ نہ سکا   کئے گئے تھے کچھ ایسے ہی لفظ استعمال
نہ سادگیِ عبارت نہ چاشنیِ ادب   نہ دل فریبیِ کاشی نہ جادوئے بنگال
خدا گواہ کہ چکرا گیا دماغ مرا   جواب سُن کے میں سمجھا کہ آگیا بھونچال
زبان تھی کہ پراچین کال کا جادو   عدوئے فہم، رقیبِ خرد، جنوں تمثال
کرختگیِ تلفّظ ارے معاذ اللہ   کہ جیسے ڈھول پہ پڑنے لگی ہو زور سے تال
کوئی چٹان لڑھکتی ہوئی گرے جیسے   کسی پہاڑی ندی کی ہو جیسے باڑھ میں چال
بہت قریب سے گذرے کوئی ہوائی جہاز   اور اس کے شور سے جیسے ہو سامعہ پامال
ہروشما پہ اٹم بم کی جس طرح گونجیں   ہر ایک لفظ پہ یوں ہی مرے دماغ کا حال

تعصّبات کے میدان میں بہ زعمِ خرد
کھلاڑیوں نے زباں کو بنا دیا فٹ بال

(۱۹۵۰ء)

گرومور فڈ

'گرومور فڈ' کیا ہے؟ کاغذ پہ کھیتی — تخیّل میں سونا اُگلتی ہے گیتی
ہلوں کی جگہ ہیں قلم اور پنسل — گرومور فڈ ہے گرومور فائل
مضامیں کی کھادیں بڑی کارگر ہیں — کلرکوں کی میزیں بھی کُل بارور ہیں
ذہنوں نے بڑے جوش سے ہل چلایا — قلم کی سیاہی نے پانی پٹایا
پریس نوٹ کے بیج بوروں میں بھر کر — گئے دفتروں سے کسانوں کے گھر گھر
منوں ریم کاغذ کو مصرف میں لا کر — اُگا دی گئی فصل باتوں کی بمپر
حروف اور لفظوں کے پودے ہرے ہیں — درازوں کے کھلیان سارے بھرے ہیں
یہ تصویر دیکھو، وہ تصویر دیکھو — تدبّر کے خوابوں کی تعبیر دیکھو
کہیں پر ہے بھُٹا، کہیں باجرہ ہے — کہیں پر مٹر ہے، کہیں پر چنا ہے
کہیں پر ہے مولی، کہیں پر ہے گاجر — کہیں پر ہے شلجم، کہیں پر چقندر
کہیں پر ہے گیہوں کی شاداب بالی — کہیں پر لدی ہے ٹماٹر سے ڈالی

ہے روٹی کی تصویر بھوکوں کے آگے — کھلونے ہیں کاغذ کے بچّوں کے آگے

سیاست کے مطبخ کا پکوان ہے یہ — خیالی پلاؤ کی دوکان ہے یہ

معاشی تخیّل کی پرواز دیکھو — گرو مور فڈ کا یہ اعجاز دیکھو

کہ افسر اُگاتی ہے صوبوں کی دھرتی — دفاتر میں ہوتی ہے بھرتی پہ بھرتی

نہ کھیتوں میں گیہوں، نہ چاول، نہ بھٹّا — جو اُپجا اگر کچھ تو ٹڈّی دَلے ہی اُپجا

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

(۱۹۵۰ء)

●

لیلائے کرشن

آئی ہے مرے شہر میں اک شوخ حسینہ سرشار جوانی ہے کہ ساون کا مہینہ
رعنائی کے تیور ہیں کہ طوفاں کا قرینہ

اک محشرِ جذبات ہے ظالم کی جوانی مستانہ ادائیں ہیں کہ دریا کی روانی
ہر منہ میں بھر آتا ہے جسے دیکھ کے پانی

شوخی ہے کہ برسات کی گھنگھور گھٹائیں یا بزمِ خرابات کی مخمور ہوائیں
یا وادیٔ کشمیر کی مسحور فضائیں

ہر شخص کو جامِ مئے دیدار پلا کر ہر دل میں چراغ اپنی تمنا کا جلا کر
ہر روح میں وارفتگیٔ شوق بڑھا کر

یوں چھیڑ دیا اس نے محبت کا ترانہ اک آن میں تسخیر ہوا سارا زمانہ
عشاق بھلا بیٹھے زلیخا کا فسانہ

ویسے تو پھنسانے میں وہ مشتاق بڑی ہے ہر شخص پہ، ہر دل پہ نظر اس کی گڑی ہے
جی جان سے لیکن وہ دفاتر پہ پڑی ہے

سرکار کے دفتر کا اسسٹنٹ بچارا	ٹکرا گیا اس شوخ کی نظروں سے قضارا
اور فرض کی بازی میں بری طرح سے ہارا

فائز ہیں مگر عہدۂ عالی پہ جو افسر	ظالم کی محبت میں ہوئے آپے سے باہر
حال ان کے دلِ زار کا ہر دل سے ہے ابتر

اس دشمنِ ایماں نے کسی کو بھی نہ چھوڑا	جو اس کے مخالف تھے غرور ان کا بھی توڑا
دل اپنی طرف قوم کے لیڈر کا بھی موڑا

جو دیش کے سیوک تھے اہنسا کے پجاری	خود ان سے حسینہ نے کہا میں ہوں تمہاری
اور ان پہ بھی الفت کا جنوں ہو گیا طاری

اب دیش کی سیوا کی بھلا کیا ہے ضرورت	اب وقت کہاں ہے جو کریں قوم کی خدمت
اب وہ ہیں اور اس شوخ کی آغوشِ محبت

(۱۹۵۰ء)

محقّق

یہ جو اک حضرت چلے آتے ہیں گورستان سے
یہ نہ سمجھیں آپ ہیں بیزار اپنی جان سے

آپ کو یونہی ہے آثارِ قدیمہ سے لگاؤ
جس طرح چونا، ڈلی، کتھے کو نسبت پان سے

آپ کو قبروں سے اُلفت، عشق ویرانے سے ہے
آپ گھبراتے ہیں جیتے جاگتے انسان سے

کوئی کتنا ہی بڑا ہو فلسفی، شاعر، ادیب
عمر بھر اس سے رہا کرتے ہیں آپ انجان سے

ہاں مگر جیسے ہی پا جاتا ہے بیچارہ وفات
آپ اس کو چاہنے لگتے ہیں جی سے جان سے

سونگھتے ہیں دیر تک مرحوم کی خاکِ لحد
پھر یہ فرماتے ہیں اُٹھ کر عالمانہ شان سے

طول و عرضِ قبر سے یہ صاف چلتا ہے پتہ
گورکن آئے تھے اطرافِ بلوچستان سے

یہ تھا اک رُخ صاحبِ تحقیق کی تصویر کا
دوسرا رُخ بھی بیاں کرتا ہوں سنئے دھیان سے

ہیں بزعمِ خود محقق آپ ہندوستان کے
آپ نے نقطے گنے ہیں میرؔ کے دیوان کے

کاتتے ہیں سوت کو تحقیق کے اتنا مہین
آپ کے آگے جولاہے مات ہیں ایران کے

زیرِ تحقیق آپ کے رہتے ہیں یہ سب مسئلے
کس قدر چوہے پلے تھے گھر میں مومنؔ خان کے

پانچ بج کر پانچ پر یا پانچ بج کر سات پر ۔۔۔ داغؔ نے توڑا تھا دم، زانو پہ منّی جان کے
رندؔ نے اک بیوفا کے عشق میں کھائے تھے جو ۔۔۔ وہ چھری کے زخم تھے یا گھاؤ تھے کِرپان کے
دُھن ہے یہ ثابت کریں، دلّی تھا ملٹنؔ کا وطن ۔۔۔ اور سوداؔ کے چچا بوچر تھے انگلستان کے

الغرض رہتی ہے روز و شب یہی اک فکر
کوئی گلدستہ اُتاریں طاق سے نسیان کے

آپ کو ہے والہانہ عشق مخطوطات سے ۔۔۔ جیسے سنّاٹے کو اُلفت ہے اندھیری رات سے
کرم خوردہ اور بوسیدہ کتابوں کے ورق ۔۔۔ ڈھونڈ کر لاتے ہیں آپ اُس شہر اِس دیہات سے
لیکے اِن اوراقِ پارینہ کو یوں آتے ہیں خوش ۔۔۔ لوٹتے ہوں جس طرح نوشہ میاں بارات سے
پھر مہینوں تک عرق ریزی کیا کرتے ہیں آپ ۔۔۔ جوڑتے ہیں سلسلہ اس ڈال کا اس پات سے
سرحدِ وہم و گماں کو چھوڑ کر میلوں پرے ۔۔۔ کھیلتا ہے ذہن دور از عقل امکانات سے
اس پہ یہ طُرّہ کہ رکھتے ہیں کھلے بندوں جناب ۔۔۔ دل میں بُغضِ للّٰہی اوروں کی تصنیفات سے
گر کسی نے لکھ دیا یہ، میرؔ کے دو ہاتھ تھے ۔۔۔ آپ اس کو رد کریں گے اپنی تحقیقات سے

آپ کی تحقیق یہ ہوگی کہ لولھا تھا غریب
اور اسے ثابت کریں گے اسکی کُلّیات سے

(۱۹۵۷ء)

نقّاد

ان سے ملیے آپ ہیں جوہر شناسِ نقدِ فن
کانپتی ہے دبدبے سے آپ کے روحِ سخن

جب کہ قسمت بٹ رہی تھی عالمِ ارواح میں
آپ کو رکھا گیا تھا زمرۂ جرّاح میں

آ کے دنیا میں مگر تھوڑی سی تبدیلی ہوئی
آپ کی گردن کی رسّی اک ذرا ڈھیلی ہوئی

آپ کو تعلیم کا ماحول دنیا میں ملا
ذہن کا سانچہ مگر جیسا تھا ویسا ہی رہا

نوجوانی میں ہوا کچھ شعر کہنے کا خیال
طبعِ ناموزوں نے لیکن کر دیا دل کو نڈھال

پھر خیال آیا کہ افسانہ نگاری کیجئے
صاحبانِ علم پر یوں رعب طاری کیجئے

آپ نے یکجا کیا کچھ منتشر افکار کو
اک کہانی لکھ کے بھیجی ہفتہ وار اخبار کو

گو ایڈیٹر سے بہت تھا دوستانہ آپ کا
نذرِ آتش کر دیا اس نے فسانہ آپ کا

ہو گئے یوں بند جب شہرت کے دروازے تمام
جاگ اٹھا پھر تو کروٹ لیکے جوشِ انتقام

مشتعل جذبات سے دل میں شر پیدا ہوا
بُوم کے سینے میں شاہیں کا جگر پیدا ہوا

لکھتے لکھتے نکتہ چینی کا طریقہ آ گیا
پنجۂ شل کو جھپٹنے کا سلیقہ آ گیا

آپ کو اہلِ قلم سے اک کدورت ہوگئی　　　نظم ہو یا نثر دونوں ہی سے نفرت ہوگئی

آپ کا قبضہ ہوا تنقید کے میدان پر　　　اک مصیبت آگئی شعر و ادب کی جان پر

خامۂ خونخوار نے اک حشر برپا کر دیا　　　جو بھی زد میں آگیا اس کا صفایا کر دیا

جس سے بگڑے اس کی مٹی آپ نے کر دی پلید　　　ہو گئے خوش جس سے دے دی اسکو شہرت کی کلید

آپ نے زاغِ سخن کو بلبلِ گلشن کہا　　　آپ نے تک بند شاعر کو امامِ فن کہا

ایک ہلڑ کر دیا برپا مذاقِ خام نے　　　شیخ کی پگڑی اُچھالی مغبچوں کے سامنے

مشغلہ دن رات کا ہے، اُن پہ نشتر، اِن پہ طنز　　　میرزا غالب کے مُنہ آئے، کیا مومن پہ طنز

آئے جب علمِ بیاں کی معنوی تفصیل میں　　　صنعتِ ایہام کی دُم باندھ دی تعلیل میں

استعارے کو دھڑلّے سے کنایہ لکھ گئے　　　جوش میں تنقید کے ظلمت کو سایہ لکھ گئے

الغرض جو جی میں آیا لکھ کے شایع کر دیا
وقت اپنے ساتھ اوروں کا بھی ضایع کر دیا

(۱۹۵۸ء)

گوّیا شاعر

ان سے ملیئے آپ ہیں وہ شاعرِ رنگیں نوا
جن سے بزمِ شعر کی مرطوب رہتی ہے ہوا

بھیرویں کی دُھن میں جس دم دادرا گاتے ہیں آپ
بن کے ساون کی گھٹا محفل پہ چھا جاتے ہیں آپ

آپ پڑھتے ہیں غزل جب لیکے ہلکی گٹکری
آپ پر قربان ہو جاتی ہے روحِ شاعری

آپ کی آواز یوں لبریز ہے تاثیر سے
گونجتی رہتی ہے محفل نعرۂ تکبیر سے

آپ کی رنگیں نوائی کا ہے یہ ادنیٰ کمال
شعرِ بے معنی بھی بن جاتا ہے اک سحرِ حلال

سر جھکائے دم بخود رہتے ہیں گو اہلِ نظر
جھومتا رہتا ہے مجمع آپ کی ہر تان پر

فلم کے گانوں کی دُھن پر جب سناتے ہیں کلام
انجمن پر ٹوٹ پڑتا ہے سڑک کا اژدہام

چاشنی سی لے نمک شعروں میں بھر دیتے ہیں آپ
بھوتری تلوار کو بھی تیز کر دیتے ہیں آپ

آپ کے شعروں میں گو آہنگ کا فقدان ہے
آپ کا گانا مگر بزمِ سخن کی جان ہے

فرق یہ ہے آپ ہیں اور پیشہ ور قوّال ہیں
فیس کا طالب ہے وہ اور آپ خوش ہر حال میں

گنگنا کر آپ جب کرتے ہیں صاف اپنا گلا
بزمِ قوّالی کا آجاتا ہے ہلکا سا مزا

مصرعۂ اوّل کو دو دو بار دُہرانے کے بعد
انگلیوں سے تال سُر کا بھاؤ بتلانے کے بعد

لوچ پیدا کر کے قدموں میں تھرک جاتے ہیں آپ
کچھ پھڑک جاتی ہے محفل، کچھ پھڑک جاتے ہیں آپ

آپ کی نغمہ سرائی کی خبر ہے دور تک
آپ کا شُہرہ ہے کلکتہ سے مرزا پور تک

آپ سے واہی کا ہے یہ دست بستہ مشورہ
آپ کو فطرت نے بخشا ہے مُغنّی کا گلا

آپ کی شفقت کا ہے محتاج رقّاصی کا فن
کیوں نہ بزمِ رقص میں تبدیل ہو بزمِ سخن

کس قدر بے چین ہیں یہ پاؤں گھنگرو کیلئے
گردشیں محدود کیوں ہوں چشم و ابرو کیلئے

لُطف آجائے جو سازندے بھی ہوں کچھ ساتھ ساتھ
اِس طرف پیروں میں جنبش اُس طرف طبلے پہ ہاتھ

پھیل جائے چار جانب پھر تو شُہرا آپ کا
اور ہر تقریبِ شادی میں ہو مُجرا آپ کا

(۱۹۵۷ء)

●

مشاعرہ اور کامریڈ

کل شب کو انجمن میں ہوا اک مشاعرہ
مَیں بھی تھا سامعین کی صف میں کھڑا ہوا

ہر مکتبِ خیال کے تھے لوگ مجتمع
ڈائس پہ شاعروں کی تھی اک سطحِ مرتفع

ٹُک بند و تُک فروش بھی تھے مبتدی بھی تھے
پیرِ مغاں میکدۂ شاعری بھی تھے

اک سمت شاعرانِ ترقی پسند تھے
کرسی پہ اپنے زعم میں سب سے بلند تھے

زاغ و زغن جو پہلے غزل اپنی پڑھ چکے
اور نقد و تبصرہ کی کسوٹی پہ چڑھ چکے

اُستادِ فن بھی آ گئے، مائک کے سامنے
تا حدِّ فہم داد اُنھیں دی عوام نے

سب کی زباں پہ ذوقِ سخن کا خراج تھا
لیکن صفِ یمیں میں خموشی کا راج تھا

خاموش شاعرانِ ترقی پسند تھے
لب ہائے ناز قفلِ تکبّر سے بند تھے

کچھ ان میں تھے چڑھائے ہوئے اپنی تیوریاں
سگریٹ پی کے چھوڑ رہا تھا کوئی دھواں

نیچی نظر میں طنز کے نشتر تھے تیز تیز
احساسِ برتری کی متانت تھی خندہ ریز

کرسی پہ ہر ادیب تھا اک پیکرِ خیال
یونانیوں کی سنگ تراشی کی اک مثال

اتنے میں صدرِ بزم یہ بولے کھنکار کے
اب آ رہے ہیں شاعرِ فردا جدار کے

مائک پہ آئیں حضرتِ مریخ ہیں کہاں — اتنے میں اُٹھ کھڑا ہوا اک منحنی جواں
مجمع پہ ڈالتا ہوا ترچھی سی اک نظر — مائک کو ایک ہاتھ سے مضبوط تھام کر
زلفوں کی گرد جھاڑ کے اور کھول کر کتاب — اک نظم کی شروع بہ عنوانِ انقلاب
مطلع یہ تھا کہ گاوِ زمیں کو پچھاڑ دیں — چاہیں جو ہم تو خیمۂ افلاک پھاڑ دیں
سنتے ہی اس کے بزم میں اک غلغلہ ہوا — ہر شاعرِ ترقی پسند اُٹھ کھڑا ہوا
وہ تالیاں بجیں کہ رُخِ وقت مُڑ گیا — ان تالیوں میں طائرِ مضموں بھی اُڑ گیا
شہپر سمیٹے بلبلِ سدرہ نے سہم کے — ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اربابِ فہم کے
میں دل میں سوچنے لگا اللہ رے اتحاد — ہونٹوں سے ایک ساتھ نکلتی ہے سب کے داد
کہتے ہیں ہم خیالی و ہم مشربی اسے — کہیے اک ارتقائے جماعت گری اسے

داہی کی التجا ہے ہر اک فرقہ بند سے
لے عقل شاعرانِ ترقی پسند سے

(۱۹۵۸ء)

مشاعرہ سے پہلے — اور بعد

منعقد ہونے کو ہے اک صحبتِ شعر و سخن
آج سارے شہر میں اک زندگی اک جوش ہے

بزم میں آنے سے پہلے شاعرانِ خوش نوا
ہیں وہ مہماں جن کی خاطر وا ہر اک آغوش ہے

ہاتھ باندھے پھر رہے ہیں پیش پیش والنٹیر
دل میں خدمت کی لگن سے اک خروش و جوش ہے

کوئی پانی بھر رہا ہے غسل دینے کے لئے
اور کوئی صابن بدست و تولیہ بر دوش ہے

صاحبِ خانہ بھی ملتے ہیں کچھ اس انداز سے
گویا سر آنکھوں پہ ان حضرات کی پاپوش ہے

چائے بسکٹ سے تواضع ہو رہی ہے خوب خوب
جشن کا ہنگام ہے اک شورِ نوشا نوش ہے

کوئی تاڑی باز ہے تو اس کو تاڑی بھی ملی
آ گئی ٹھرّے کی بوتل گر کوئی مے نوش ہے

آتے ہی پنڈال میں پھولوں کی بارش ہو گئی
لوگ یہ سمجھے کہ ڈائس مرقدِ گل پوش ہے

ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں سامعین و حاضرین
رعب سے شاعر کے مجمع سر بسر خاموش ہے

شعر کی صحبت ہوئی باقاعدہ جس وقت گرم
ہے کبھی ہُلّڑ کبھی محفل سراپا گوش ہے

ایک اک مصرع پہ سر دھنتی ہے ساری انجمن
داد دیتے دیتے کوئی معتقد بے ہوش ہے

بعدِ محفل آ گیا ہے انقلابِ نو مگر
شمع کی گردش رکی ہے انجمن خاموش ہے

اب نہ وہ خاطر تواضع ہے، نہ وہ آؤ بھگت
اب تو بختِ شاعراں اُتری ہوئی پاپوش ہے

حال یہ ہے کس نمی پُرسد کہ بھیّا کون ہو — آپ ہیں اور کس مپرسی کی کھلی آغوش ہے
نیند سے آنکھیں ہیں بوجھل ڈگمگاتے ہیں قدم — بھوک سے آنتوں میں اک ہنگامۂ خاموش ہے
ایک کی ٹوپی ہے غائب ایک کا چشمہ ہے گم — نذرِ محفل ایک شاعر کی نئی پاپوش ہے
چل دیئے والنٹیر حضرات اپنے اپنے گھر — سرد چولھے کی طرح ٹھنڈا دلوں کا جوش ہے
کس سے مانگیں جا کے اب اپنے کرایہ کی رقم — حد تو یہ ہے بانیِ محفل بھی اب روپوش ہے
سُوئے اسٹیشن چلے ہیں سر جھکائے سب کے سب — ہاتھ میں بدھنا ہے اور سامان بارِ دوش ہے
راستے میں کوئی رکشا یا کوئی ٹم ٹم نہیں — رات کا پچھلا پہر ہے، زندگی خاموش ہے

اتنی درگت پر بھی شاعر کی طبیعت رات دن
شعر خوانی کے لئے رختِ سفر بر دوش ہے

(۱۹۶۲ء)

یلغار سے انتشار تک

جب تک ادب ترقی پسندی کا تھا شکار — تھی شاعری مرقعِ میدانِ کارزار
چھوٹے بڑے سبھی شعرا کی زبان پر — آتا تھا نام جنگ و بغاوت کا بار بار
تھا ہر دماغ اسلحہ خانہ بنا ہوا — آلات حرب و ضرب کے تھے جن میں بے شمار
کل، کارخانہ، کھیت تھے موضوعِ شاعری — اک لفظ "انقلاب" پہ تھا فکر کا مدار
نظموں کے بند و بست میں ہوتی تھی گھن گرج — جیسے کہ "لانگ رینج مزائل" کی تیز مار
غزلوں کے انتشار میں ہوتا تھا ایک نظم — جیسے کہ "ایکشن" میں کسی فوج کے سوار
ہوتی تھی بات رمز و کنایہ میں اس طرح — جیسے "اسٹین گن" سے کرے کوئی چھپ کے وار
پٹرول کا دھواں تھا تخیل میں یوں بسا — خوشبوئے عطر سے تھا طبیعت میں انتشار
مصرعوں میں جب تلک نہ ہو بارود کی چیخ — اچھا سے اچھا شعر بھی ہوتا تھا ناگوار
محبوب کے تصورِ شاداب کے عوض — رہتا تھا دل میں اُلفتِ مزدور کا خمار
تھی اصطلاح "بورژوا" کی چلتی ہوئی — ان کے لئے جو اسپِ قدامت پہ تھے سوار
گیہوں کی بوریوں کی طرح گوبدِش سے — اذکار مستعار تھے، تخئیل مُستعار
ہوٹل میں بیٹھ کر وہ نقیبانِ انقلاب — اگلے ہوئے سخن کو نگلتے تھے بار بار

لیکن یہی خیال رہا عمر بھر انھیں
ہم لوگ ہیں مجددِ آئینِ روزگار

اب غلغلہ ترقی پسندی کا ہے خموش
اب شاعری ہے اک نئے بحران کا شکار

اب محملِ سخن پہ ہے قابض جدیدیت
اب دستِ انتشار میں ہے فکر کی مہار

اب شاعروں کا ذہن وہ خالی مکان ہے
جس میں بکھرے پڑے ہیں فقط گرد اور غبار

کھڑکی کا پردہ کھینچ کے دروازہ کرکے بند
اوڑھے ہوئے لحاف ہیں بستر سے ہم کنار

گو دوپہر کی دھوپ ہے بکھری ہوئی تمام
لیکن انھیں گماں ہے کہ ظلمت ہے ہیں و چار

ہر شاعرِ جدید شتر مرغ کی طرح
صحرا میں اپنی ذات کے ہے مائلِ فرار

تشکیک اب یقیں کی جگہ ہے براجمان
ابہام، چیستان کے راکٹ پہ ہے سوار

"سی آئی اے" کا کوڈ ہیں نظمیں تمام تر
یعنی زبان اپنی بنی ہے زبانِ بار

مفہوم خود بتا نہ سکیں صاحبِ سخن
لکھے گئے ہیں ایسے بھی منظوم شاہکار

بارود و خون و تیشہ و مزدور کے عوض
موضوعِ شاعری کے ہیں اب تھوک اور کھکھار

ہے جبلت و خیز دائرۂ جنسیات میں
کچھ منچلے بنے ہیں "فرائڈ" کے پیشکار

شرمائے کام دیو بھی، عریانیت یوں
بڑھ کر کیا ہے رنگ فحاشی کا اختیار

جو حال عین کا تھا وہی غین کا بھی ہے
تب بھی تھے اور اب بھی ہیں افکار مستعار

نقالی آنکھ موند کے کرتے رہے ہیں ہم
یلغار کا وہ دور رہو یا عہد انتشار

(۱۹۶۷ء)

فہرستِ حمار

یوں تو اپنے ملک میں ہر دس برس یک بار
اک وبائی شکل میں چڑھتا ہے سینسس کا بخار

اس پہ بھی اہلِ دفاتر کے پراگندہ حواس
اپنی ذہنی گتھیوں کا کرتے رہتے ہیں شمار

جیسے کیا تعداد اپنے ملک میں کتوں کی ہے
مرغیاں کتنی کڑک ہیں اور کتنی بچے دار

دھان کے کھیتوں میں گنا کس قدر پیدا ہوا
باغ میں امرود کے اب کے پھلے کتنے انار

حکم مرکز سے چلا اک بار ماتحتوں کے نام
ملک میں کتنے گدھے ہیں کر لئے جائیں شمار

یہ بھی تھی تاکید اک ہفتہ میں آ جائے رپورٹ
ایک دن کی دیر بھی ہونے نہ پائے زینہار

ایک افسر جو ابھی ناواقفِ حالات تھے
سخت چکرائے کہ آخر کس طرح بیڑا ہو پار

اتنی کم مدت میں سینسس ہو گدھوں کا کس طرح
ذہن الجھن میں پڑا تھا سوچتے تھے بار بار

ناگہاں کچھ فائلیں لے کر وہاں حاضر ہوئے
نورِ چشمِ بزرجمہر، یعنی ان کے پیشکار

اور حاکم سے بصد آداب کی یہ التماس
بندہ پرور آپ کو ناحق ہے اتنا انتشار

آپ کے اقبال سے یہ کام کچھ مشکل نہیں
میں ابھی تیار کر دیتا ہوں فہرستِ حمار

اور پھر دو تین گھنٹے بھی ابھی گذرے نہ تھے
لے کے حاضر ہو گئے وہ سارے اعداد و شمار

تھا مکمل ہر جہت سے آپ کا اسٹیٹمنٹ
دیکھ کر حیرت میں ڈوبے حاکم عالی وقار

اور بہ استعجاب یہ پوچھا کہ یہ کیوں کر بنا
پیلے پیلے دانت دکھلا کر یہ بولے پیشکار

مَیں نے جاتے ہی یہاں سے کھول کر سینسس رپورٹ
ضلع بھر میں جتنے دھوبی تھے کیا ان کا شمار

ہو گئی معلوم جب تعداد ساری قوم کی
ایک اک دھوبی کے حصہ میں دیئے دو دو حمار

یوں مرتب ہو گئی ہے ایک فہرست خراں
آپ کے سارے علاقے میں ہیں وہ کل دس ہزار

سن کے یہ تقریر بولے حاکم کرسی نشیں
تین نام اور اس میں جوڑ و تا کہ ہو تکمیل کار

ایک اپنا ایک میرا تیسرا اس کا ہو نام
جو کرے ان چیستانی ہندسوں پر اعتبار

عرض واہی ہے کہ اس فہرست سے باہر ہیں کیوں
وہ خرانِ نا مشخص بیشتر جو ہیں حمار

از خیابانِ سیاست تا بیابانِ ادب
گھاس چرتے پھر رہے ہیں ایسے ڈنگی بے شمار

(۱۹۶۷ء)

نیا ہاتھی

شادیاں ہوتی تھیں جب پہلے کسی دیہات میں
چند ہاتھی بھی منگائے جاتے تھے بارات میں

تاکہ کچھ ساراتیوں پر رعب سمدھی کا پڑے
اور اس کے نام کا اطراف میں جھنڈا گڑے

ہاتھیوں کو دیکھ کر اطراف میں ہوتی تھی دھوم
گھیر لیتا تھا انھیں اہلِ تماشا کا ہجوم

ان کی خورش پر مگر ہوتی تھی خرچ اتنی رقم
صاحبِ خانہ بچارے کا نکل جاتا تھا دم

گاڑیوں برگد کے پتے ایک من پختہ اناج
ایک ہاتھی کو ملا کرتا تھا روزانہ خراج

جب عدم آباد کی جانب زمینداری گئی
رفتہ رفتہ ہاتھیوں کی گرم بازاری گئی

اور اب ان کے عوض ہر گاؤں ہر دیہات میں
ناخدایانِ سیاست جاتے ہیں بارات میں

آج کل شوبھا بڑھانے کے لئے بارات کی
ہر لگن میں مانگ ہوتی ہے انھی حضرات کی

ان کی آمد سے بھی مچ جاتی ہے چاروں سمت دھوم
گھیر لیتا ہے انھیں بھی گاؤں والوں کا ہجوم

میزباں کے گھر کی رونق شان و شوکت رعب و داب
دفعتاً بڑھتے ہیں بے پایان و بے حد و حساب

ایک ہاتھی پر جو پہلے خرچ ہوتی تھی رقم
ایک نیتا پر وہی ہوتی ہے صرف اب بیش و کم

فرق صرف یہ ہے کہ وہ کھاتا تھا غلّہ، یہ پلاؤ
اُس کا حصہ ایک من تھا، اُن کا حصہ تین پاؤ

اُس کے آگے ٹوکرا تھا، اِن کے آگے خاصدان
وہ چبا جاتا تھا چنے، یہ چبا جاتے ہیں پان

پانچ میں ملتا تھا پہلے ایک من غلّے کا ڈھیر
سیکڑوں کی اب چپیٹ ہے مرغ و ماہی و بٹیر

مانگتے ہیں دعوتِ شادی میں سب ہر بار مُرغ
اب حساب اس کا لگا لو، ایک نیتا چار مُرغ

اس ترازو میں برابر ہیں، وہ نیتا ہوں کہ فیل
کھاتے ہیں جنتا کا حصہ بھی یہ جنتا کے وکیل

خواہ نیتا ہو کہ ہاتھی نام باراتی کا ہے
الغرض دیوالہ ہر حالت میں ساراتی کا ہے

(۱۹۶۴ء)

تحسینِ جدید

"مقطع غزل کا عرض ہے ...."

"ارشاد !"

"کیا خوب !"

"کس غضب کا ہے یہ اجتہادِ فن

رسمِ کہن میں ردّ و بدل کر رہے ہیں — واہ

مقطع سے ابتدائے غزل کر رہے ہیں — واہ

واللہ اک انوکھی پہل کر رہے ہیں — واہ

جدّت اسی کا نام ہے

شاباش شاد باش

زندہ روایتوں کی کہاں تک اٹھے گی لاش

اچھا — سنائیے

ہمہ تن گوش بزم ہے"

٭

"حضرات، اک ذراسی توجہ کی ہے طلب

مقطع غزل کا عرض ہے......

سورج کو چونچ میں لئے مُرغا کھڑا رہا"

"کیا خوب، واہ واہ"

"مصرع ہے بے پناہ"

"تخلص بھی بے نظیر"

"سورج ہو یا کہ مرغ ہو یا چونچ مُرغ کی

ہر ایک لفظ پہ ہے تخلّص کا اشتباہ"

"ابہام کا یہ حُسن!

یہ معنی کی رمزیت

اللہ، کس عروج پہ پہونچی جدیدیت

واہ ـــ واہ"

٭

"حضرات، عرض ہے......

سورج کو چونچ میں لئے مُرغا کھڑا رہا"

"واہ ـــ"

واللہ، کیا جدید تخیّل ہے، مرحبا

منقارِ گُل میں عارضِ بلبل ہے، مرحبا

اس ندرتِ کلام کے قربان جائیے
اس فکرِ تیز گام کے قربان جائیے"

"واہ...... واہ

اللہ رے دیو قامتیٔ مرغابِ خیال
سورج کو جو سمجھ کے چنا یا مٹر کی دال
منقار میں لئے ہوئے دن بھر کھڑا رہا
واہ........ واہ"

٭

"حضرات، شعر عرض ہے......
سورج کو چونچ میں لئے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا رات ہو گئی"
"کیا خوب!"
"واہ..... کیسی کرامات ہو گئی
مُرغے کی چونچ قفلِ حوالات ہو گئی
سورج کے حق میں وادیٔ ظلمات ہو گئی

اے واہ —— واہ، واہ

اے واہ —— زندہ باد

(۱۹۶۹ء)

راشن کی دُکان

واللہ کہ جس دانۂ گندم کی بدولت — جاری ہوا آدم پہ ستم، چھن گئی جنّت
اس دانۂ گندم کا ستم اب بھی ہے جاری — ظالم نے بنایا ہمیں در در کا بھکاری
پالا جو پڑا اس سے تو یہ مان گئے ہم — گندم کی دُکاں کوچۂ دلبر سے نہیں کم
منظر ہے وہی، حشر کا میدان وہی ہے — دربان سے پٹ جانے کا سامان وہی ہے
رونق بھی وہی، بھیڑ بھی، وحشت بھی وہی ہے — چشمک بھی ہے آپس میں، رقابت بھی وہی ہے
دوکاں پہ ہے اک سمت خواتین کا میلا — اک سمت ہے مردوں کا امنڈتا ہوا ریلا
گندم کے عوض کشتۂ گندم کا ہے جلوہ — ہر آن یہ خطرہ ہے کہ ہو جائے نہ بلوہ
جیسے ہی دریچے کو دُکاں دار نے کھولا — ہر شخص لئے دوڑ پڑا ہاتھ کا جھولا
پُشتک کوئی دیتا ہوا گزرا کوئی دھکّے — اس نے اُسے روندا وہ گرا آپ لڑھک کے
اتنے میں گرجتی ہوئی آواز یہ آئی — سپلائی کا کوٹہ نہ ملا جایئے بھائی

گندم کے عوض وعدۂ فردا کا بتاشا
حصّے میں ملا سب کو، ہوا ختم تماشا

القصّہ یوں ہی چلتا ہے حالات کا چکّر
گندم زدگاں کا ہے یہ دن رات کا چکّر

کہتے ہیں ضرورت مگر ایجاد کی ماں ہے
تفصیل اس اجمال کی راشن کی دُکاں ہے

میلہ سا لگا رہتا ہے دن بھر جو یہاں پر
بیکاری کا مصرف بھی لیا جاتا ہے کھُل کر

اوقات گذاری کی نکل آتی ہیں راہیں
عاشق ہے اگر کوئی تو بھرتا ہے وہ آہیں

اب فکرِ سخن ہوتی ہے راشن کی دُکاں پر
کہتے ہیں غزل کیُو میں کھڑے ہو کے سخنور

اک غول میں کچھ دیویاں مصروفِ سخن ہیں
فرصت جو ملی گھر سے تو باتوں میں مگن ہیں

اک دیوی کے لب پر ہے گرانی کی حکایت
اک بی بی کو ہے اپنی پڑوسن سے شکایت

اک ماں نے بغل والی بڑی بی کو پھنسا کر
دختر کے لئے اپنی وہیں ڈھونڈھ لیا بر

جھولی لئے کچھ لوگ طلب کرتے ہیں چندہ
کچھ جیب تراشوں کا بھی چل جاتا ہے دھندہ

نیتا بھی چلے آتے ہیں اس بھیڑ میں اکثر
فاقوں کے فوائد پہ پلا جاتے ہیں لکچر

کھلتے ہیں سیاست کے گرہ گیر مسائل
ہوتے ہیں بیاں خوب حکومت کے فضائل

موضوعِ سخن بنتے ہیں سرکار کے وعدے
عشاق سے اس یارِ طرحدار کے وعدے

لائن میں لگے اونگھتے رہتے ہیں نکمّے
حل کرتے ہیں کچھ لوگ کھڑے شمع معمّے

واہیؔ کے بھی اوقات گذرتے ہیں وہاں پر
یہ نظم بھی لکھی گئی راشن کی دُکاں پر

اے میری زیرپائی

اَے سن رسیدہ چپل، اے میری زیرپائی
اَے میرے پائے خستہ کی ہمدم رجائی
شاید اب آگیا ہے تیرا دمِ جدائی — اَے میری زیرپائی

تو چھ برس سے میرے پیروں کی ہم سفر تھی
تجھ سے بہ خوبی واقف ہر ایک رہ گذر تھی
رستوں کے پیچ و خم سے تھی تیری آشنائی — اے میری زیرپائی

جاتی تھی ساتھ میرے، بازار، ہاٹ، دفتر
تیرے نصیب میں بھی لکھا ہوا تھا چکر
چلنا تھا کام تیرا، کیچڑ ہو یا کہ کائی — اے میری زیرپائی

جوتوں کی اک دُکاں میں تجھ سے نظر لڑی تھی
کس ناز سے وہاں تو شوکیس میں کھڑی تھی
بس دیکھتے ہی تجھ کو دل ہو گیا فدائی — اَے میری زیرپائی

شاعر کی جیب لیکن، معشوق کی کمر ہے
نقاد کی زباں میں معدوم سر بسر ہے
قصّہ یہ مختصر ہے امّید بر نہ آئی — اے میری زیرپائی

اتنی بچت کہاں تھی تنخواہ کی رقم میں
لاتا خرید کر میں تجھ کو جو اس رقم میں
حسرت میں تیری گذرا وہ سال اک تہائی — اے میری زیرپائی

اتنے میں اتفاقاً لی وقت نے جو کروٹ
امید کا دریچہ بس کھل گیا کھٹا کھٹ
"آکاش وانی" والوں کو میری یاد آئی — اے میری زیرپائی

پائی وہاں سے میں نے اک نظم کی جو اُجرت
پھرنے لگی نظر میں تیری حسین صورت
تکمیل آرزو پر تقدیر مسکرائی — اے میری زیرپائی

چھ سال ہو رہے ہیں، گو بات ہے پرانی
لیکن ہے یاد اب تک اُس شام کی کہانی
تجھ کو دکاں سے لایا جب دے کے رونمائی — اے میری زیرپائی

وہ تیری نوجوانی وہ آب و تاب تیری
بادامی شوخ رنگت، وہ لاجواب تیری
وہ خیرہ کُن ادائیں، وہ شانِ دل رُبائی — اے میری زیرپائی

کچھ اور حُسن بڑھتا، کچھ اور تو نکھرتی
کچھ اور رنگ چڑھتا، کچھ اور تو سنورتی
جس وقت تجھ پہ لگتی بادامی روشنائی — اے میری زیرپائی

القصہ اس رفاقت میں ماہ و سال گذرے
اک دوسرے کی قربت میں ماہ و سال گذرے
تا این کہ آگیا اب یہ خطرۂ جدائی — اے میری زیرپائی

چکّر نے رات دن کے تیری کمر کو توڑا
گھس گھس کے رفتہ رفتہ ٹانکوں نے ساتھ چھوڑا
ہر جوڑ بند کھل کر دینے لگے دہائی — اے میری زیرپائی

بخیے جگہ جگہ سے سارے اُدھڑ گئے ہیں
ایڑی کے کیل کانٹے گھس کر اُکھڑ گئے ہیں
کتنی ہے عبرت آگیں یہ ہیئت گدائی — اے میری زیرپائی

اس طرح تیرے تن پر پیوند کے نشاں ہیں
گویا کسی ضعیفہ کے رخ پہ جھرّیاں ہیں
تشبیہ تیری جیسے سوکھی ہوئی کھٹائی — اے میری زیرپائی

اک مردِ فاقہ کش کا دھنس جائے پیٹ جیسے
یوں ہی سُکڑ گئے ہیں گھس گھس کے تیرے تلوے
اللہ رے خستہ حالی، پربت بنا ہے رائی — اے میری زیرپائی

افسوس حال تیرا یوں ہو گیا ہے ابتر
موچی بھی چل دیا ہے ٹیڑھا جواب دے کر
اس کی بھی چارہ سازی مطلق نہ کام آئی — اے میری زیرپائی

ہر جوڑ سے ہیں ظاہر آثار خستگی کے
لالے پڑے ہوئے ہیں اب تیری زندگی کے
میرے نصیب میں ہے شاید برہنہ پائی — اے میری زیرپائی

میں سوچتا ہوں تو نے گر میرا ساتھ چھوڑا
لاؤں گا پھر کہاں سے ایسا رفیق جوڑا
ہے قحط کا زمانہ، ہے ٹیکس کی چڑھائی — اے میری زیرپائی

کچھ اور ساتھ دے دے تجھ سے یہ التجا ہے
عزت مری بچالے تیرا ہی واسطہ ہے
بے وقت یہ مصیبت اس مفلسی میں آئی — اے میری زیرپائی

●

اے لکچرر!

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

گر امتحاں میں فیل ہوں تو پاس نمبر جوڑ دے
ممکن ہے کوئی بوکسر، نکمیر ورنہ پھوڑ دے
ممکن ہے کوئی سرپھرا، ورنہ ترا سر توڑ دے
ممکن ہے یہ سیلِ بلا رُخ تیری جانب موڑ دے

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

لازم ہے تو محفوظ رکھے اپنا سر اے لکچرر
ہے رات دن طلّاب کی جیبوں پر نظر اے لکچرر
اپنی بھلائی چاہتا ہے تو اگر اے لکچرر
للہ چلنے دے انھیں اپنی ڈگر اے لکچرر

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

بچنیں جو خالی تھیں وہ ہیں، ٹیچر جو حیراں تھے وہ ہیں
دوران میں لکچر کے جو لڑکے غزل خواں تھے وہ ہیں
بہروپ میں انسان کامل کے جو حیواں تھے وہ ہیں
وحشت منظّم ہو گئی باقی جو ساماں تھے وہ ہیں

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

اگزامی نیشن ہال میں کوئی اگر چوری کرے
مقراض سے کوئی کسی لڑکی کی چوٹی کاٹ لے
یا پاؤں پھیلا کر دمِ لکچر کوئی سوتا رہے
لازم ہے تو انجان ہی بن کر رہے حالات سے

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

تو لاکھ چاہے ان کے ذہنوں کی نہ ہوگی تربیت
تو جس قدر دیتا رہے گا ان کو درسِ قومیت
وہ ریل کو اُتنا ہی سمجھیں گے خود اپنی ملکیت
اور بے ٹکٹ چلنے کی چھوٹے گی نہ ہرگز ان کی لت

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

بے وجہ اپنی زندگی کو دیکھ خطرے میں نہ ڈال
زنہار اپنے سر میں تو اصلاح کے کیڑے نہ پال
تہذیب اور اخلاق کے لکچرر کا ہوگا یہ مآل
بن جائیں گے حشرات کا ہے تیری جاں کے حق میں کال

اے لکچرر! اے لکچرر!!
تو طالبانِ علم کو قسمت پہ ان کی چھوڑ دے

میں اسٹوڈنٹ ہوں

میں اسٹوڈنٹ ہوں اے ہمنشیں اس دورِ حاضر کا
تمدن کے گھڑے میں ہوں نئی تہذیب کا بہر کا

مسلط ہوں میں سر پر قوم کے وہ مسئلہ بن کر
کہ جس نے ہوش غائب کر دیا ہے ہر مدبّر کا

مجھے سوراج نے بخشا ہے آزادی کا پروانہ
اگر پابند ہوں کچھ تو فقط قیدِ عناصر کا

طبیعت میری ہر قیدِ تعلّق سے ہے بیگانہ
نہ گھر کا ہوں، نہ کالج کا، نہ مسجد کا، نہ مندر کا

اصول عاشقی کی ڈال دی ہے طرحِ نو میں نے
زمانہ بھول بیٹھا ہے فسانہ قیس عامر کا

کوئی لڑکی اگر مجھ سے زلیخائی نہیں کرتی
دکھاتا ہوں کرشمہ اس کو اپنے عشق جابر کا

رُخِ روشن پہ یوں تیزاب کا چھڑکاؤ کرتا ہوں
رنگے تصویر کو موئے قلم جیسے مصوّر کا

سوا پڑھنے کے ہر اس کھیل میں رہتا ہوں میں آگے
کہ جس میں ناطقہ ہو بند شاطر سے بھی شاطر کا

میں لکچر روم میں بکواس سننے کا نہیں عادی
اسی پر اونگھتا ہوں ڈسکشن جو ہوتا ہے آخر کا

سوالاتِ امتحاں کے حل کیا کرتا ہوں یوں اکثر
کلیجہ منہ کو آتا ہے مورّخ کا، مبصّر کا

ادب کی مجلسوں میں اس طرح کرتا ہوں ہوٹنگ
کہ ہو جاتا ہے ابتر حال بے چارے مقرّر کا

کبھی ہوٹل میں دنگا ہے، کبھی سڑکوں پہ بلوہ ہے
مرے کردار میں مستقبل انساں کا جلوہ ہے

مجھے قانون کی حد بندیوں سے سخت نفرت ہے
رہوں پابند اگر اب بھی تو آزادی پہ لعنت ہے

جہاد زیست میں ہوں جبر و استبداد کا قائل
اخوت اور اہنسا بیوقوفوں کی سیاست ہے

وہ سرکاری بسیں ہوں یا سواری ریل گاڑی کی
ٹکٹ مانگے کوئی مجھ سے بھلا یہ کس کی شامت ہے

میں دے کر امتحاں ہر فکر سے آزاد رہتا ہوں
سپرد ابّا میاں کے پیروی کرنے کی خدمت ہے

انھیں ہر ممتحن کے گھر کی مٹی کوٹ کھانا ہے
کہ میرا فیل ہونا حق میں انکے خود مصیبت ہے

میں فلمی اور جاسوسی رسائل کا ہوں دلدادہ
مجھے درسی کتابوں کے تصور ہی سے نفرت ہے

مری تخئیل میں فلمی ستارے جگمگاتے ہیں
مرا معبد سنیما ہے، مرا مسلک محبّت ہے

مرے سینے کے البم میں ہیں تصویریں حسینوں کی
یہ نرگس ہے، وہ مینا ہے، یہ زہرہ ہے، یہ طلعت ہے

مری چندیا پہ گمراہی و بدبختی کی ٹوپی ہے
نئی تہذیب کے چہرے پہ کالک میں نے تھوپی ہے

پروفیسر نامہ

ڈی لٹ جسے ملا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — پی ایچ ڈی جو ہوا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
پٹنہ کا جو پڑھا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — انگلینڈ جو گیا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
بیرنگ جو پھرا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

طبعاً جو فلسفی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — ذہناً جو منطقی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
عقلاً جو مولوی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — سہواً جو آدمی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
شکلاً جو زوریا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

چالاک لومڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — اور جس میں گُربگی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
اُلٹی جو کھوپڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر — ساون کی جو جھڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
چکنا جو اک گھڑا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

وہ بھی کہ جس کے علم کی پونجی قلیل ہے — وہ بھی جو راہِ علم میں اک سنگِ میل ہے
وہ بھی ہے لکچرر، جو ادیبِ جلیل ہے — وہ بھی ہے لکچرر کہ جو خانِ خلیل ہے
جو اُس کی فاختہ ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

درسی کتاب لکھ کے بنا ہے ادیب جو
اپنے مقام کو نہیں سمجھا غریب جو
بنتا پھرے ہے اہلِ قلم کا رقیب جو
اپنی حماقتوں کا ہے خود ہی نقیب جو
جو گھاس کاٹتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

ہر پبلشر کا پیر پکڑتا پھرے ہے جو
ہر آستاں پہ ناک رگڑتا پھرے ہے جو
کوتاہیوں پہ اپنی اکڑتا پھرے ہے جو
بے وجہ ساتھیوں سے جھگڑتا پھرے ہے جو
لنگھی جو مارتا ہے، سو ہے وہ بھی لکچرر

جس کے دماغ میں ہے حماقت کا اک شگاف
کھسکا ہے جس کا ذہن ٹلے جس طرح سے ناف
دامن کو اپنے مکر کے صابن سے کر کے صاف
کپڑوں پہ دوستوں کے بصد لاف و صد گزاف
کیچڑ اچھالتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

اُلّو خوشامدوں سے بناتے ہیں جس کو لوگ
اور انگلیوں پہ اپنی نچاتے ہیں جس کو لوگ
بندر بنا بنا کے کداتے ہیں جس کو لوگ
بیلون کی طرح سے اُڑاتے ہیں جس کو لوگ
جو بانس پر چڑھا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

ہوتا ہے جو ذلیل برابر کلاس میں
شاگرد جس کو کہتے ہیں لوفر کلاس میں
چڑھتا ہے جس کے سر پہ سنیچر کلاس میں
شاگردنوں کو چھیڑ کے اکثر کلاس میں
پٹنے سے جو بچا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

نالاں ہے جس کے ذوقِ سخن سے سخنوری
سینے میں جو ادب کے ہے تنقید کی چھری
جس کے قلم کی نوک سے زخمی ہے شاعری
باوصف تربیت ہے جو پیدائشی غبی
یعنی جو سر پھرا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

بے معنی اشعر کو جو سمجھتا ہے معنیٰ دار اور معنیٰ دار شعر ہیں جس کی سمجھ پہ بار
جو شاعری کو سمجھے سیاست کا قرضدار گنجشکِ فن کو صید سمجھ کر عقاب وار
چنگل سے نوچتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

حقہّ کی نے کو زور سے دانتوں میں داب کے اُگلے قلم سے رشکِ رقابت کے جو شرر
گردش میں جس کی عقل ہو چکر میں جس کا سر یاروں کو اپنے دیکھ کے بام عروج پر
کھمبا جو نوچتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

وہ مینڈکی کہ جس کو ہو تنقید کا زکام مُنھ جس کا بے لگام قلم جس کا بے زمام
لکھتا ہے جو مقالہ و مضموں بدل کے نام تھوکے جو آسمان پہ بے نیل و بے مرام
داہی پہ بھونکتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

پی۔ ایچ۔ ڈی

جو لوگ ایم اے کر کے بھی روزگار ہیں ۔۔۔ اور اپنے والدین کے کاندھوں پہ بار ہیں
ان سے ہے میری عرض کہ کل فکر چھوڑ دیں ۔۔۔ اور آج ہی سے شغل میں تحقیق کے لگیں
جی لگ گیا تو کام بڑا سود مند ہے ۔۔۔ کھُل جائے گا دریچۂ قسمت جو بند ہے
ترکیب لکھ رہا ہوں عمل آپ کیجئے ۔۔۔ دم بھر میں بیج ڈالیئے پھل توڑ لیجئے
ویسے تو سَو مواد ہیں تحقیق کے لئے ۔۔۔ جیسے لحد پہ ورد کے جلتے تھے کئے دیئے
یا میرؔ کی چٹائی کا تھا طول و عرض کیا ۔۔۔ غالبؔ کو قید خانے میں کمبل جو تھا ملا
بال اُس کے کھردرے تھے کہ اُون اسکا تھا نفیس ۔۔۔ چیلڑ تھے اس میں بیس[۲۰] کہ کھٹمل تھے اسمیں تیس[۳۰]
یا آج کل جو شاعر و مضموں نگار ہیں ۔۔۔ لکھتے ہیں خود کہ دوسروں کے قرضدار ہیں
لیکن یہ سارے کام ہیں محنت طلب ذرا ۔۔۔ اس کے علاوہ وقت بھی لگ جائیگا سوا
میرے کہے پہ آپ عمل کیجئے اگر ۔۔۔ کم وقت میں تمام ہو تحقیق کا سفر
اک دن کسی کباڑی کی دوکاں پہ جائیے ۔۔۔ قلمی کوئی کتاب وہاں سے اُڑائیے
کوشش رہے کہ ہو کسی شاعر کا وہ کلام ۔۔۔ گر مل گیا تو آپ کا ہے ختم نصف کام
تخئیل کی مدد سے فسانے تراشیئے ۔۔۔ ہر اک ورق پہ ٹانکئے دو چار حاشیئے

شاعر کو فرض کیجیے شاگردِ میر تھا
یا ہم صفیر و حلقہ بگوشِ نظیر تھا

یوں ہی وطن بھی اس کا کہیں فرض کیجیے
جو آئے جی میں باپ کا نام اس کے دیجیے

حالات زندگی کے بھی لکھ جائیے یونہی
اس کو نکال دیجیے اگر جھول ہو کہیں

پچھلے محققین کی دو اک کتاب سے
تمہید نقل کیجیے لیکن حساب سے

اُن کا مواد ہو مگر اپنا بیاں رہے
اقوال دوسرے کے ہوں اپنی زباں رہے

پہنچے جو یوں صحیفۂ نو تا بہ اختتام
ہے اس کے بعد مرحلۂ سجدہ و سلام

یعنی کہ بیچ میں ہوں جو اربابِ حل و عقد
جھک جھک کے سجدے کیجیے پیش انکو نقد نقد

بچوں کو ان کے جا کے سنیما دکھائیے
باتیں ہوں ان کی خشک تو مکھن لگائیے

تیور کو ان کے تو لیے اپنی نگاہ میں
بچھیے سپاہیوں کی طرح انکی راہ میں

خدمت میں ان کی خونِ جگر پانی کیجیے
ہر روز تھوڑی دیر مگس رانی کیجیے

مکھی کو اُن کی ناک پہ جانے نہ دیجیے
جوتے تک ان کے گرد کو آنے نہ دیجیے

عقلِ مصاحبت سے ذرا کام لیجیے
دانش کدہ سے اپنے پھر انعام لیجیے

کیوں مغز صرف کیجیے اندیشہ جات میں
پی۔ ایچ۔ ڈی لوگ بنتے ہیں اب بات بات میں

ہر فرق علم و جہل کا معدوم ہو گیا
کیں جس نے خدمتیں وہی مخدوم ہو گیا

انتقال کے بعد

آ مخرش دنیا سے و آہی کا ہوا جب انتقال
اس کے گھر والوں پہ کیا گذری نہ پوچھو اسکا حال

یہ خبر جب حلقہائے شہر میں پھیلی تمام
اس کے گھر پر ہو گیا اہل ادب کا اژدہام

چند اک احباب کے چندے سے جب آیا کفن
غُسلِ میت دیکے تب ڈھانپا گیا اس کا بدن

ایک شاعر اشکباری جن کی گوہر بار تھی
لاش ابھی اُٹھی نہ تھی، نظم ان کی اک تیار تھی

قطعۂ تاریخ اک شاعر نے برجستہ کہا
نام سے مرحوم کے نکلا تھا پورا مادّہ

ریڈیو نے نشر کی جب یہ خبر چوپال سے
تعزیت کے تار آئے سندھ سے بنگال سے

انجمن میں تعزیت کا ایک جلسہ بھی ہوا
جابجا مرحوم کی سیرت کا چرچا بھی ہوا

ماہناموں نے نکالے خاص نمبر خوب خوب
تھا یہ رونا ہو گیا سورج ظرافت کا غروب

بعد مُردن حق بچارے کا ادا ہونے لگا
اس کے فن پر ناقدوں کا تبصرہ ہونے لگا

ایک ناقد نے یہاں تک بڑھ کے لکھا جوش میں
اس کا فن اکبر سے بالاتر حقائق میں توشش میں

اک محقّق گھر پہ اس کے رات دن جانے لگے
اس کے اُجڑے گھر کی تصویریں اُتروانے لگے

اس کی تحریروں کا متن و حاشیہ دیکھا کئے
اس کی نظموں کا ردیف و قافیہ دیکھا کئے

کاوشِ تحقیق سے ان کی، بُرا تھا سب کا حال
کرتے پھرتے تھے محلّے میں یہ اک اک سے سوال

کون سا روغن کیا کرتا تھا استعمال وہ
بھات کھاتا تھا کہ دونوں وقت روٹی دال وہ

نوٹ بک میں اس کی جو کاغذ ہے کتنے دن کا ہے
جس قلم سے رات دن لکھتا تھا وہ کس سن کا ہے

ایک لیڈر نے بنائی اک کمیٹی شاندار
اس میں طے پایا کہ قائم ہو اک ایسی یادگار
جس سے نام حضرت واہی سدا قائم رہے
گلشن طنز و ظرافت کی ہوا قائم رہے

اور جاری ہو گیا چندوں کا پھر تو کاروبار
خوب چمکا پیٹ کے بندوں کا پھر تو کاروبار
بمبئی سے اور دلّی سے کئی اک پبلشر
اُڑ کے طیاروں سے آئے اور پہنچے اس کے گھر

اس کے مجموعوں کے حق ملکیت کے واسطے
اپنے نقصاں اور اس کی منفعت کے واسطے
کچھ حقوق اپنے جتائے کچھ دلیلیں پیش کیں
الغرض سب نے ہزاروں ہی سبیلیں پیش کیں

تھا الکشن کا زمانہ اس لئے سرکار کی
مرنے والے پر نظر جانے لگی کچھ پیار کی
ہو گئی تھوڑی سی تبدیلی مروّج رول میں
اس کے دو بچے فری پڑھنے لگے اسکول میں

الغرض اک موت سے پیدا ہوئی وہ زندگی
مشعل شعر و ادب کی بڑھ گئی تابندگی

روحِ واہی دیکھتی تھی دور سے یہ انقلاب
اس کی حیرت بن رہی تھی اک سوالِ بے جواب

زندگی بھر کوئی جس کا پوچھنے والا نہ تھا
جس کے فن کا جام پی کر کوئی متوالا نہ تھا

صبح سے تا شام جو اپنا قلم گھِستا رہا
رات دن حالات کی چکی میں جو پِستا رہا

ناقدوں نے مڑ کے بھی جس کی طرف دیکھا نہیں
جس کے ماتھے کا پسینہ وقت نے پونچھا نہیں

آنسوؤں کی آج برکھا ہے اسی کے نام پر
آفریں صد آفریں اس شفقتِ ایّام پر

دَم نکلتے ہی چڑھا سب پر عقیدت کا بخار
قدرداں حضرات کو شاید یہی تھا انتظار

کر دیا اس موت نے ثابت یہ ہم پر کم سے کم
زندگی سے موت بہتر ہے، پئے اہلِ قلم

اہلِ فن کو موت سے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے
بلکہ ممکن ہو تو کوشش کر کے مرنا چاہیئے

حضرتِ کاتب

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیمِ کتابت

کیوں آپ کو اربابِ قلم سے ہے عداوت
کیوں آپ بناتے ہیں بچاروں کی حجامت
حجام کی قسمت میں ازل سے ہے جو خدمت
اس میں بخدا آپ کو حاصل ہے مہارت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیمِ کتابت

اس طرح قلم آپ کا چلتا ہے دھکا دھک
لے جیسے چھلانگیں کوئی برسات کا مینڈک
یہ لفظ اُڑا اور وہ جملہ ہوا گنجلک
اک جست میں بن جاتی ہے مضمون کی درگت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیمِ کتابت

پوسا گیا پالا گیا کس آب و ہوا میں
ذہن آپ کا رہتا ہے جو ہر وقت خلا میں
کرتے نہیں فرق آپ خدا اور جُدا میں
نقطوں کی اُلٹ پھیر سے کیا کیا ہے مصیبت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیمِ کتابت

ہو جاتا ہے آمادۂ اصلاحِ قلم جب
بن جاتے ہیں استادِ سخن، جہلِ مرکب
اشعار سے ہوتے ہیں وہ مفہوم مرتب
بیچارے سخنور پہ گزر جائے قیامت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیمِ کتابت

دفتر کبھی آتے ہیں جو بیوی سے جھگڑ کے
رکھ دیتے ہیں مضمون کی ناک آپ رگڑ کے
رہ جاتا ہے ابہام بھی سر اپنا پکڑ کے
الفاظ و معانی کی بس آجاتی ہے شامت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیم کتابت

ہوں اہلِ صحافت کہ مدیرانِ رسائل
ہیں آپ کی ترمیم کے، تحریف کے قائل
ہوتا ہے قلم آپ کا جب لطف پہ مائل
رہ جاتا ہے تکتا ہوا منھ زعمِ ادارت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیم کتابت

ہر جملہ میں جب تک کہ نہ دو اک غلطی ہو
ہر شعر میں اک رکن کی جب تک نہ کمی ہو
اس وقت تلک کاہے کو خوش آپ کا جی ہو
اس وقت تلک کیسے ہو آسودہ طبیعت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیم کتابت

لکھنے میں ادھر محو ہیں حالاتِ زمانہ
گذرا کوئی اتنے میں یہ گاتا ہوا گانا
اے یار ترے عشق میں مرتا ہے دِوانہ
بس آپ نے جھٹ اس کو کیا درج عبارت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیم کتابت

رہتے تھے بڑے زعم میں خود حضرتِ واہی
لکھی تھی مگر آپ کے ہاتھوں سے تباہی
جی کھول کے چہرے پہ پلیٹی جو سیاہی
اک آن میں غائب ہوا کُل رنگِ ظرافت

اے حضرتِ کاتب شہِ اقلیم کتابت

پروگرام

(۱)

واہی

واہی کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خوابِ پریشاں میں ملے گا
اور صبح کو وہ شہر کے سرکاری مطب میں
شیشی لئے انبوہِ مریضاں میں ملے گا
اور دن کو وہ سرکار کے دفتر کا اسامی
کھویا ہوا فائل کے بیاباں میں ملے گا
اور ڈیڑھ بجے لنچ کی جب ہوتی ہے فرصت
وہ رہ گذرِ چاٹ فروشاں میں ملے گا
اور شام کو وہ والدِ اطفالِ گرسنہ
جھولا لئے مل چند کی دوکاں میں ملے گا
اور رات کو دن بھر کا تھکا ماندہ بچارہ
مُردے کی طرح کلبۂ احزاں میں ملے گا

(۴)

بڑا صاحب

افسر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خواب کے ٹاپو میں ملے گا
اور صبح کو وہ بہر ہوا خوری سڑک پر
چلتا ہوا بلڈوگ کے پہلو میں ملے گا
اور دن کو وہ کرسیِ رعونت پہ بصد شان
فائل پہ جھکا ورزشِ ابرو میں ملے گا
اور صبح کو وہ صاحبِ انگریز خصائل
پنٹو[1] میں، ری پبلک[2] میں، بلازو[3] میں ملے گا
اور رات کو وہ شہر کے مشہور کلب میں
پیمائشِ طولِ قد و گیسو میں ملے گا

●

۱، ۲، ۳۔ پٹنہ کے چند بڑے ہوٹل

(۳۱)

شاعر

شاعر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر فکر کی دلدل میں ملے گا
اور صبح کو آئینہ لئے سامنے اپنے
اشعار تغزل کے ریہرسل میں ملے گا
دن کو وہ جگر گوشۂ بیکاری و افلاس
بستر پہ خیالات کے جنگل میں ملے گا
اور شام کو حلقے میں مریدانِ سخن کے
بیٹھا ہوا رحمانیہ ہوٹل میں ملے گا
اور شب کو سرِ بزمِ سخن صدر کے نزدیک
گالوں کو پُھلائے صفِ اوّل میں ملے گا

(۴۸)

مُلّا

مُلّا کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ مجبور مراسم
سکڑا ہوا محرابِ عبادت میں ملے گا
بعد اس کے وہ ہوٹل میں خدا دین میاں کے
ناسازیٔ معدہ کی شکایت میں ملے گا
اور ظہر کے کچھ بعد وہ لکھتا ہوا تعویذ
عوراتِ محلہ کی رفاقت میں ملے گا
اور شام کو جنّات کی مسجد میں کنوئیں پر
تسخیرِ اجنہّ کی ریاضت میں ملے گا
اور محفلِ میلاد ہو یا بزمِ عروسی
ہر رات وہ بریانی کی دعوت میں ملے گا

(۵)

ایڈیٹر

اور آپ ایڈیٹر کو اگر ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خانۂ عزلت میں ملے گا
اور صبح کو وہ شہر کا مشہور صحافی
اخبار فروشوں کی جماعت میں ملے گا
اور دن کو وہ بیڑی کا دھواں منھ سے اڑاتا
مصروف مضامیں کی ادارت میں ملے گا
اور شام کو کاتب جو رہے گا کبھی غائب
بیچارہ جٹا شغلِ کتابت میں ملے گا
اور رات کو پتھر پہ جو جم جائے گی کاپی
تا دیر پریس مین کی خدمت میں ملے گا

(۶)

پلیڈر

اور آپ پلیڈر کو اگر ڈھونڈنا چاہیں
وہ شب کو پینل کوڈ اُلٹنے میں ملے گا
اور صبح کو مرغیِ وکالت کا وہ مُرغا
انڈے کی تمنّا لئے ڈربے میں ملے گا
اور دن کو کچہری میں وہ اجلاس سے پہلے
برگد تلے دلّالوں کے اڈے میں ملے گا
اور ان کی خوشامد سے جو مل جائے گی فرصت
کنجوس مؤکّل سے تقاضے میں ملے گا
مل جائے گی جب فیس تو پشواز پہن کر
اجلاس پہ حکّام کے مجرے میں ملے گا
نکتہ کوئی چھوڑے گا جو وہ اپنی زباں سے
اک تیر سا منطق کے کلیجے میں ملے گا
اور شام کو آتے ہی کچہری سے وہ جھٹ پٹ
تھالی لئے گھُستا ہوا چرکے میں ملے گا

(۷)

لیڈر

لیڈر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر حجرۂ دلبر میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ اغراض و مقاصد
سر خم کئے دربار منسٹر میں ملے گا
اور دن کو وہ جنتا کی چراگاہ کا بھینسا
چرتا ہوا پرمٹ کسی دفتر میں ملے گا
اور شام کو احباب کے پیسوں کی بدولت
ہوٹل میں کہیں یا کسی پکچر میں ملے گا
اور رات کو ہاتھوں میں لئے بھات کی تھالی
بیوی سے جھگڑتا ہوا وہ گھر میں ملے گا

●

(۸)

پروفیسر

کالج کے مدرس سے جو ہو آپ کو ملنا — وہ پچھلے پہر اپنے نشیمن میں ملے گا
اور صبح کو وہ چند کتابوں کا مؤلف — ناشر سے تقاضائے کمیشن میں ملے گا
اور دن کو وہ کالج میں پڑھانے سے زیادہ — مشاطگیِ زلف الکشن میں ملے گا
کھولے گا سیاست کی گرہ چشم زدن میں — لیکن دمِ لکچر بڑی الجھن میں ملے گا
غالبؔ کے کسی شعر کا مطلب نہ سمجھ کر — پیشِ طلبا قلب کی دھڑکن میں ملے گا
الجھے گا جو اقبالؔ کے گیسوئے خودی میں — تجزیۂ فن کاریِ ملٹن میں ملے گا
لکچر بھی جو دے گا تو وہ میٹر سے زیادہ — الجھا ہوا اسٹائل و ڈکشن میں ملے گا
تحقیق کا سودا کبھی ہو گا تو سرِ شام — پڑھتا ہوا کتبہ کسی مدفن میں ملے گا

اور رات کو بچوں کو کسی بات پہ ڈپٹ کے
مکھی کی طرح بیوی سے بھن بھن میں ملے گا

(۹)

نقّاد

نقّاد سے ملنا ہے خطرناک کہ ہر دم
وہ حالتِ تبخیرِ تخیّل میں ملے گا

دن رات وہ اک خاص اکڑفوں کی ادا سے
ذہنیتِ معکوس کے فرغل میں ملے گا

بس ایک ہی محور پہ وہ ناچے گا ہمیشہ
جب دیکھئے گردابِ تقابل میں ملے گا

کیفیتِ قبض اس کی طبیعت میں رہے گی
ذہن اس کا مضافاتِ تعطل میں ملے گا

لیلیٰ سخن پاس پھٹکنے جو نہ دے گی
اُلجھا ہوا تنقید کے کاکل میں ملے گا

کوّوں کے سخن پر وہ تقاریظ لکھے گا
اور مضحکۂ نغمۂ بلبل میں ملے گا

یا رات کو بستر پہ وہ بیٹھا ہوا اکڑوں
پنسل لئے تنقیصِ تغزل میں ملے گا

(۱۰)

فلسفی

اور فلسفیٔ وقت کے اوقات ہیں بہتر
ہر دم وہ طلسماتِ توہم میں ملے گا
تالابِ تجسس پہ لئے فکر کی بنسی
وہ گاہِ شکارِ مہ و انجم میں ملے گا
اور گاہ وہ آنکھوں کو کئے بند سڑک پر
خواب اور حقیقت کے تصادم میں ملے گا
گو رات کو جسم اس کا چٹائی پہ رہے گا
لیکن وہ ستاروں سے تکلّم میں ملے گا
کھو جائے گی جب عقل تو بھولے گا خدا کو
آجائے گا جب ہوش تو ہم تم میں ملے گا

●

تحریکِ شعرستان

ملک میں مردم شماری سے ہوا یہ آشکار
صرف شاعر ہیں یہاں پر دو کروڑ اکسٹھ ہزار

ان میں بھی دس بیس فلمی شاعروں کو چھوڑ کر
سب خدا کے فضل سے ہیں بے عمل بیروزگار

شہر تو ہیں شہر کوئی گاؤں بھی ایسا نہیں
از کمایوں تا دکن از پوربندر تا بہار

جن کی گلیوں اور کوچوں میں نظر آتے نہ ہوں
اوسطاً دس آدمی کے بیچ شاعر تین چار

جیسے ہی اخبار والوں نے اچھالی یہ خبر
شاعروں کا بختِ خفتہ جاگ اُٹھا ایک بار

چند لیڈر قسم کے حضرات کو موقع ملا
آ گئی ان کی خزاں دیدہ قیادت میں بہار

اک اہم اسکیم ان کے ذہن نے تیار کی
جس میں ذاتی اور قومی فائدے تھے بیشمار

لیڈروں نے رکھ کے اس اسکیم کو پیشِ نظر
اک نئی تحریک کی ڈالی بنائے استوار

شاعروں کی اک الگ اسٹیٹ ہونی چاہیئے
جس میں اُن کو مرنے جینے کا ہو پورا اختیار

قومیت کے نام پر جب ملک کی تقسیم ہو
اپنے حق کے واسطے لڑتے ہوں جب بھنگی چمار

شاعروں کی قوم کچھ ان سے گئی گذری نہیں
کیوں رہیں وہ زندگی بھر کس مپرسی کا شکار

پھر تو ہر سو مانگ شعرستان کی ہونے لگی — اندرونِ ملک پیدا ہو گیا اک خلفشار
جا بجا ہونے لگا بزم رجز کا انعقاد — ہو گئے کُل شاعرانِ خوشنوا سر گرم کار
شاہراہوں پر ٹریفک دم بدم رکتی رہی — انقلابی شاعروں کی بھیڑ سے لیل و نہار
یہ نئی تحریک ایسے وقت میں آگے بڑھی — ملک میں پھیلا ہوا تھا ہر طرف جب انتشار
چل رہی تھی بھوک ہڑتال اسٹرائک توڑ پھوڑ — نت نئی مانگوں سے بیچاری حکومت تھی دوچار

ہو گئے اس مانگ میں کچھ نکسلائٹ بھی شریک
جا بجا کرنے لگی تنظیم شدت اختیار

آخرش سرکار کو اک روز جھکنا ہی پڑا — دن بدن ہوتی گئی تحریک اتنی زوردار
کیبنٹ نے تنگ آ کر مانگ ان کی مان لی — شاعروں کو مل گیا اک ہوم لینڈ انجام کار
ساحل مدراس سے کچھ دور بحرِ ہند میں — چھوٹے چھوٹے کچھ جزیروں کی جہاں تھی اک قطار
اک نئی اسٹیٹ کی تشکیل بالآخر ہوئی — شاعروں کو مل گیا نظم و نسق کا اختیار
کارواں در کارواں شاعر وہاں جانے لگے — سال بھر تک انخلا ہوتا رہا لیل و نہار
نقل آبادی مکمل ہو گئی جس ماہ میں — جشنِ آزادی منایا سب نے مل کر زوردار
وہ جزیرے اک زمانہ سے جو غیر آباد تھے — ہو گئے اب شاعرانہ زندگی سے ہمکنار

تھی وہاں لیکن کمی سامانِ خورد و نوش کی — کیوں کہ مٹی ان جزیروں کی تھی بنجر اور کھار
ابتدا میں ساتھ لائے تھے جو راشن، وہ چلا — پھر غذائی مشکلوں سے ہو گئے شاعر دوچار
وقت پر قدرت نے لیکن یہ بھی مشکل دور کی — مچھلیاں تھیں ان جزیروں میں بکثرت بے شمار
ناریل کے پیڑ، جنگلی بیر کی جھاڑیں بھی تھیں — تاڑ کا رس بھی میسّر تھا پئے شرب و خمار
مختصر یہ ہے کہ شعرستان میں بسنے کے بعد — مل گیا اس قوم بیکاراں کو اچھا روزگار

رات بھر بزمِ سخن میں مست رہتی تھی یہ قوم
اور سارا دن کیا کرتی تھی مچھلی کا شکار

تشکیلِ شعرستان

مان لی سرکار نے جب مانگ شعرستان کی
شاعروں نے سانس لی تب جا کے اطمینان کی

پُرکشش تھا اس قدر ان کے لئے تازہ وطن / چھوڑ کر آبائی گھر جانے لگے اہلِ سخن
امن، مُلّا، عرش، ساغر، وجد، جذبی اور فراق / اپنا اپنا قافلہ لے کر چلے با طمطراق
بند کر دی ساحر و سردار نے فلمی دُکاں / لے گئے نکلے انقلابی شاعروں کا کارواں
ساتھ علوی کو لئے نکلے خلیل و شہریار / آگے پیچھے کُل جدیدی تھے قطار اندر قطار
گنگناتے گیت گاتے بیکل اُتساہی چلے / طنزیہ اشعار کہتے فرقت و واہی چلے
یوں ہی سارے ملک سے کل شاعرانِ خوش بیاں / سوئے منزل چل پڑے لے لے کے اپنی ٹولیاں
سال بھر میں شاعروں سے ملک خالی ہوگیا / انخلا ان کا مکمل اور مثالی ہوگیا

عام تخمینے کے رو سے ان کی تعداد و شمار
طول و عرضِ ملک میں تھی دو کروڑ اکسٹھ ہزار

نقل آبادی کے اس تاریخ ساز اقدام سے
کچھ مسائل حل ہوئے کچھ مسئلے پیدا ہوئے

اٹھ گئی جب ملک سے اشعار سازوں کی برات
کچھ غذائی مشکلوں سے قوم نے پائی نجات

دفعتاً بے روزگاری کی وبا بھی کم ہوئی
زور شورش کا گھٹا سرکار مستحکم ہوئی

فیملی منصوبہ بندی کی ضرورت گھٹ گئی
باپ ماں پر تھی جو پابندی وہ فوراً ہٹ گئی

مسئلہ کا دوسرا رخ بھی بڑا گمبھیر تھا
حل نکلنا جس کا آسانی سے ٹیڑھی کھیر تھا

محفلِ شعر و سخن ماضی کا افسانہ بنی
ناچ نوٹنکی کی جنتا پھر سے دیوانہ بنی

لکھنؤ، دلی، عظیم آباد کا ہر چائے گھر
جو سدا رہتا تھا قوم شاعراں کا مستقر

نوش کر کے تلخ کافی چائے کے دو چار کپ
بیٹھ کر دن بھر جہاں کرتے تھے وہ حضرات گپ

آگیا اکبارگی ان چائے خانوں پر زوال
ہو گئے بیکار اُن کے مالکانِ خستہ حال

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

ناقدانِ شعر کو سب سے بڑا دھکا لگا
گر پڑے سب منہ کے بل ایسا کڑا دھکا لگا

شاعروں کے دم سے تھا وابستہ ان کا روزگار
ساری عزت ساری شہرت کا اُنھی پر تھا مدار

ان کے قائم کردہ و خود ساختہ معیار پر
جو نہ اُترا فٹ، چڑھایا اس کو فوراً دار پر

چیر پھاڑ اشعار کی کرتے تھے ناقد اس طرح
بھیڑ بکروں سے نپٹتا ہے قصائی جس طرح

شاعروں کو نوچتے تھے خامۂ خونخوار سے
ٹانگ کھینچی وجد کی اُلجھے کبھی سردار سے

تھا یہ ادنیٰ سا کرشمہ ذہن کی اُفتاد کا
اپنے بھائی بند کو رتبہ دیا اُستاد کا

دفعتاً ٹھپ پڑ گیا لیکن یہ سارا کاروبار
دیکھتے ہی دیکھتے سب ہو گئے بے روزگار

ایک بھی شاعر نہیں تھا جس پہ شبخوں مارتے
سب نظر آنے لگے بیٹھے ہوئے جوں مارتے

قدر شاعر تب وہ سمجھے ٹھوکریں کھانے کے بعد
"رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد"

وقت وہ آیا کہ ہر ناقد محقق بن گیا
یعنی مجبوراً گڑے مُردوں کا عاشق بن گیا

الغرض اس ملک میں تشکیل شعرستان سے
مختلف طبقات گذرے مختلف بحران سے

شعرستان سے ایک خط

لکھ رہا ہوں دوستو یہ نامہ شعرستان سے
ہوم لینڈ اپنا بنا تھا جو بڑے ارمان سے

جس نئی اسٹیٹ کی تحریک سے تشکیل تک
شاعروں کی قوم گذری تھی بڑے ہیجان سے

حیف لیکن ساری امیدوں پہ پانی پھر گیا
جانے کس ساعت میں ہم نکلے تھے ہندستان سے

وہ نحوست جو ازل سے ہی گلے کا ہار ہے
آج بھی لپٹی ہوئی ہے ہم سبھوں کی جان سے

خانہ جنگی، چشمکیں، رشک و حسد، بغض و نفاق
ساری باتیں ہیں یہاں پر بھی پرانی شان سے

غیر شاعر کا یہاں پر داخلہ ممنوع ہے
مملکت خالی ہے یکسر نارمل انسان سے

"کاوکاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ"
ایک بھی جانِ غزل آئی نہ ہندستان سے

"دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں"
ہو گئے ہیں دور ہم کچھ اس قدر رومان سے

وہ تو کہئے مچھلیاں ہیں ان جزیروں میں بہت
ورنہ ہم بچتے نہ اب تک بھوک کے بحران سے

بیکل اُتساہی کی زلفیں جال کا دیتی ہیں کام
مارتے ہیں مچھلیاں بیدی سحر کربان سے

شارک ہے سردار و ساحر کی پسندیدہ غذا
ہضم گو ہوتی نہیں وہ اختر الایمان سے

دور ساحل سے لگاتے رہتے ہیں غوطے عمیق
ان کے معدہ کو ہے رغبت بقیۂ سرطان سے

کھا کے آبی جانور کا گوشت کچی مچھلیاں
رات دن مرتے ہیں یا شاعر بپیچش و یرقان سے

قطعۂ تاریخ رحلت لکھنے والوں کے لئے
موت دیتی ہے نوالہ اپنے دسترخوان سے

"کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت"
ارضِ شعرستان میں مثلِ سخن ارزاں ہے موت

کالے پانی میں نظر آتی ہیں جب بھی سرخیاں
دیتے ہیں گوپال متل جا کے صحرا میں اذاں

کیا کریں اب مچھلیوں سے عشق کرتے ہیں فراق
لکھتے رہتے ہیں اسی موضوع پر چوپائیاں

حضرتِ ملّا کو اردو کی یہاں بھی فکر ہے
تا کہ اس اسٹیٹ میں پھولے پھلے گھر کی زباں

رہتے ہیں اعجاز صدیقی ہمیشہ ان کے ساتھ
گرچہ بیماری ہے بیچارے ہیں خود ہی نیم جاں

ہے رضا معصوم راہی کو مگر دونوں سے چڑھ
کیوں گڑے مُردے اکھاڑے جاتے ہیں پھر یہاں

دیکھ لیتے ہیں کہیں اعجاز و ملّا کو اگر
دونوں ہاتھوں سے دکھاتے ہیں وہ کالی جھنڈیاں

امن صاحب دیتے پھرتے ہیں اہنسا کا پیام
کون سنتا ہے مگر درویش کی آہ و فغاں

فکر شبخوں مارنے کی یاں بھی فاروقی کو ہے
کر رہے ہیں جمع نومشقانِ فن کی ٹولیاں

تھا یہ خطرہ ان میں دیمک لگ نہ جائے اس لئے
مفت کیں تقسیم، گنجِ سوختہ کی کاپیاں

ہے جو فاروقی سے پاشی کو ابھی تک اختلاف
ہو رہی ہیں اک نئے دنگل کی پھر تیاریاں

کرشن موہن بڑھ گئے ہیں حرمت الاکرام سے
ہے انہی کے ہاتھ میں بسیار گوئی کی عناں

آ کے مچھلی شہر سے اس جا بہت خوش ہیں سلام
مل رہی ہیں ان کو ہر کھانے میں تازہ مچھلیاں

لگ گئے ہیں ماہی گیری میں بصد جوش و خروش   آئے تھے جتنے بھی ان کے شہر سے شاعر یہاں
ساغرؔ و آزادؔ و جذبیؔ و جدؔ و مجروحؔ و خمارؔ   اس نئے ماحول میں رہتے ہیں لیکن سرگراں
تاڑ کے رس سے اُنھیں ہوتی نہیں آسودگی   دوسرا مشروب کوئی ان جزیروں میں کہاں
شعر کہتے کہتے سب شاعر یونہی بے حال ہیں   جیسے تھک جاتی ہیں انڈے دیتے دیتے مُرغیاں
شارٹ نوٹس پر بھی ہوتی ہے اگر کوئی نشست   کم سے کم چھ سات سو شاعر پہنچتے ہیں وہاں
جب کبھی جمتی ہے محفل بعد از اعلانِ عام   پوچھئے مت حال اس کا الحفیظ والاماں
نائیوں اور دھوبیوں کا اس جگہ فقدان ہے   اس لئے حُلیہ ہے تقریباً سبھوں کا یکساں
الغرض موڈرن شاعر کے بھی کپڑے ہیں غلیظ   جھولتی رہتی ہیں ہر چہرے پہ لمبی داڑھیاں

ارضِ شعرستان میں اپنے یہی دن رات ہیں
دوستو، کتنا لکھوں، ناگفتنی حالات ہیں

●

شعرستان میں

شاعروں کے خانداں

مختلف اقسام کی ہوتی ہیں جیسے مچھلیاں
یوں ہی شعرستان میں ہیں شاعروں کے خانداں

کوئی فاروقی ہے، کوئی جعفری، حنفی کوئی
ایک ہی سرکٹ میں مثبت ہے کوئی منفی کوئی

کوئی ہاشمی، کوئی منصوری، فضیلی ہے کوئی
ہے خلیلی نسل کا کوئی، طفیلی ہے کوئی

نکسلائٹ ہے کوئی تو افتراقی ہے کوئی
اپنی تہذیب و روایت میں فراقی ہے کوئی

جذبی و کیفی ہے کوئی خانقاہی ہے کوئی
کوئی سودائی ہے اور واہی تباہی ہے کوئی

بعض ایسے ہیں جو کرتے رہتے ہیں دل بدلیاں
اس لئے ان کا نہیں مخصوص کوئی خانداں

چمچۂ و کفگیر ان حضرات کے ہیں عرفِ عام
مقتدی ہیں بعض ان میں بعض ان میں ہیں امام

آج فاروقی بنے ہیں کل تلک تھے جعفری
عین ممکن ہے کہ آئندہ بنیں وہ نکسلی

شاعری ہی اک یہاں لے دے کے ہے انڈسٹری
اس پہ قابض ہے عموماً خاندانِ جعفری

بعض خطوں میں مگر فاروقیوں کا زور ہے
ہاتھ میں ان کے نئے شعر افگنوں کی ڈور ہے

مجلسِ شعر و سخن یعنی عوامی کونسل
اس ریاست کے نظامِ شعر کی ہے روح و دل

جعفریوں کو وہاں پر بھی ہے حاصل اقتدار
دستِ فاروقی میں ہے حزبِ مخالف کی مہار

دونوں ہی اک دوسرے کے نام سے کھاتے ہیں خار
سیر بیں ہے کبیں، دونوں ہیں الرجی کے شکار

جب بھی کوئی مسئلہ پیدا ہوا ایوان میں
دونوں لگ جاتے ہیں بس اک دوسرے کی جان میں

شارک کے کانٹوں سے اہلِ جعفری کرتے ہیں وار
اسلحہ فاروقیوں کا ہے زبانِ خاردار

اہلِ فاروقی و پاشی میں بھی ہے بگاڑ
درمیاں دونوں کے چلتی رہتی ہے اکثر لتاڑ

جنگ ان دونوں قبیلوں میں مگر ہے خانگی
ہے یہ جھگڑا کون ہو شبخونیوں کا چودھری

نکسلائٹ خانداں کا جارحانہ ہے مزاج
جس سے پیدا ہو رہا ہے امن ریاست میں نراج

ان کا دعویٰ ہے کہ وہ شاعر نہیں ہرگز کبھی
جس نے کی اُنیس سو ساٹھ سے پہلے شاعری

ان کے چھاپہ مار دستے ہر جگہ بالالتزام
نذرِ آتش کرتے پھرتے ہیں پرانا سب کلام

اتنی بڑھتی جا رہی ہیں ان کی چیرہ دستیاں
چھین لیتے ہیں زبردستی بیاضِ شاعراں

کر کے پھر ردّ و بدل شعروں میں ذہنِ خام سے
محفلوں میں بے دھڑک پڑھتے ہیں اپنے نام سے

اور بھی ہے اک قبیلہ، ہے وفاقی جس کا نام
مستقل رہتا ہے قبرستان میں جس کا قیام

شاعروں کی قبر کھدتی ہے ادھر اور وہ اُدھر
قطعۂ تاریخ لکھنے کا دکھاتے ہیں ہنر

اور جتنے خانداں ہیں ذکر کے قابل نہیں
مثلِ ماضی ان کا کوئی حال و مستقبل نہیں

شعرستان میں

دستور سازی کی کوشش

یوں تو ہر شاعر کی فطرت میں ہے کچھ دیوانگی
غیر ذمہ داریاں ہیں اس کی جزوِ زندگی

ارضِ شعرستان میں یہ شاعرانہ خاصیت
کینسر کی طرح سے جب پھیلنے بڑھنے لگی

مختلف اسکول جب جنگی اکھاڑے بن گئے
فکر و فن میں جب نراجی کیفیت پیدا ہوئی

مملکت میں ضابطہ کوئی نہ جب باقی رہا
ہر جگہ قانون کی ہونے لگی بے حرمتی

ایک اک تُک بند استادوں کے منہ آنے لگا
لکھ کے صبح و شام نظمیں بے تُکی سے بے تُکی

کوڑا کرکٹ کی طرح ہر سو نظر آنے لگیں
ڈھیریاں ہی ڈھیریاں دیوانِ خاص و عام کی

حد تو یہ ہے اہلِ مچھلی شہر بھی کرنے لگے
ماہی گیری چھوڑ کر دن رات فکرِ شاعری

جس سے بحرانِ غذا اسٹیٹ میں پیدا ہوا
قحطِ ماہی سے بڑھی ہر چار جانب بھُکمری

چند قومی درد رکھنے والے اہل الرائے سے
قوم کی ناگفتہ بہ حالت نہ جب دیکھی گئی

ایک دستور العمل تیار کرنے کے لئے
اک کمیٹی امن صاحب کی صدارت میں بنی

تاکہ اس پر چل کے نظم و ضبط آئے قوم میں
تاکہ کچھ تو معتدل ہو شاعروں کی زندگی

دوسرے کاموں میں بھی قومی انرجی صرف ہو
تُک فروشی کے علاوہ بھی تو مقصد ہو کوئی

دورِ افلاطون و تلسی داس سے اقبال تک
ہسٹری کُل شاعروں کی اس کمیٹی نے پڑھی

دوسرے ملکوں کے آئین و ضوابط ہیں جہاں
جو مناسب بات تھی وہ چھانٹ کر رکھ لی گئی

رات دن کی سخت محنت اور جاں سوزی کے بعد
اس کمیٹی نے رپورٹ اپنی بالآخر پیش کی

خاکۂ دستورِ قومی یعنی وہ شعری رپورٹ
امن صاحب نے رقم کی تھی بہ صنفِ مثنوی

اس پہ رائے عامّہ معلوم کرنے کے لئے
شاعروں کو نقل دستاویز کی بھیجی گئی

مختلف اہلِ سخن نے اپنے اپنے طور پر
رائے دی دستور میں ترمیم یا تنسیخ کی

مثنوی میں خامیاں ڈھونڈیں زباں کی جابجا
ایک شاعر نے، جو تھے شاگردِ نوحِ ناروی

سیکڑوں مصرعے بدل کر رکھ دیئے کچھ اس طرح
نفسِ مضموں نذر ہو کر رہ گیا اصلاح کی

ان کا کہنا تھا کہ بندش چست ہونی چاہیئے
شعر کے اندر بلا سے ہو نہ فکری تازگی

نعت گو حضرات کا کہنا تھا شاعر کے لئے
شرطِ اوّل ہے کہ ہو جائے وہ کٹّر مذہبی

عاقبت کی بات سوچے اور مناجاتیں لکھے
اس کے حق میں کارآمد شاعری ہے بس وہی

ایسے شاعر جو کہ حامی تھے ترقی واد کے
ان کا کہنا تھا کہ شاعر کا سخن ہو مقصدی

یعنی پہلے سے مقرر کردہ موضوعات پر
مملکت میں عام کی جائے شعورِ شاعری

خواہ شعرستان میں اس کا نہ ہو کوئی وجود
لازماً دکھلائی جائے کش مکش طبقات کی

اک قبیلہ جو مخالف تھا شعوری فکر کا
تھا ترقی وادیوں سے جس کو بغض للّٰہی

اس قبیلے کا یہ کہنا تھا کہ شاعر کا کلام
لازماً ہو اک معمہ، قیدِ معنیٰ سے بری

جس کو شاعر خود نہ سمجھے نظم کر لینے کے بعد
جس کو پڑھ کر گم ہو عقلِ مولوی معنوی

دیکھ کر دستور میں نظم و نسق کا تذکرہ
سخت برہم ہو گئے کل شاعرانِ نکسلی

ان کا نکتہ تھا کہ شاعر فطرتاً آزاد ہے
اس پہ لگ سکتی نہیں پابندیاں تنظیم کی

زندگی میں ضابطہ لانے کے بالکل تھے خلاف
ساتھ نکسل وادیوں کے دوسرے حضرات بھی

مختصر یہ ہے کہ سب نے رد کیا دستور کو
ساری محنت امن صاحب کی اکارت ہو گئی

دیکھ کر نا عاقبت اندیشیِ اہلِ سخن
اس طرح گویا ہوئی ان کی مہذب خامشی

مینڈکوں کو تولنا آساں نہیں ہے جس طرح
شاعروں کو بھی منظم کرنا مشکل ہے یونہی

•

شعرستان کی نئی نسل

مملکت میں غیر شاعر کا جو آنا تھا محال
ساتھ لائے ہی نہیں اہلِ سخن اپنے عیال

خلد سے نکلے تھے آدم ساتھ حوّا کو لیے
جس سے فطرت کے توازن میں نہ آیا اختلال

جوشِ آزادی میں لیکن اہلِ شعرستان کو
اپنے مستقبل کا آیا ہی نہیں مطلق خیال

نسل کیوں کر بڑھ سکے گی بنتِ حوّا کے بغیر
قوم ساری جب مجرد ہو تو کیا ہو گا مآل

زندگی کے اس اہم پہلو پہ سوچا ہی نہ تھا
ذہن میں ان کے نہ آیا تھا یہ بنیادی سوال

ایک مرتا ہے تو دس ہوتے ہیں پیدا ہر جگہ
شاعروں کی اس ریاست میں مگر اُلٹا تھا حال

کچھ گروہی جنگ میں، کچھ سختیٔ حالات سے
رات دن مرنے لگے جب شاعرانِ خستہ حال

منجمد تو تھی ہی آبادی، فشار موت سے
مملکت میں پھیلنے بڑھنے لگا قحط الرّجال

قوم کے ارباب حل و عقد مشکل میں پڑے
کیسے روکا جائے آبادی کا یہ پیہم زوال

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے نہ قوم شاعراں
ہو رہا تھا دمبدم پیدا دلوں میں احتمال

اک پرانے وقت کے شاعر کو سوجھی دفعتاً
پڑھ چکے تھے جو کسی قصّے میں جل پریوں کا حال

جو اُڑا کر لے گئی تھیں اپنی شہزادی کے پاس
ایک شہزادے کو سمندر تہ میں تھا جو بے مثال

کیوں نہ گہرے پانیوں میں ان کی کی جائے تلاش
کیوں نہ جل پریوں سے ہو اہلِ سخن کا اتصال

چند غوطہ خور شاعر اس مہم پر چل پڑے
لے کے مچھلی مارنے کے درجنوں مضبوط جال

اتفاقاً ایک دن ہو کر رہے وہ کامیاب — اک نئی مچھلی پکڑ لائے وہ اصحابِ کمال

نصف دھڑ تھا آدمی کا نصف دھڑ مچھلی کا تھا — اک عجوبہ چیز تھی وہ آپ ہی اپنی مثال

چھوٹے چھوٹے ہاتھ آنکھیں پُرکشش نازک بدن — ناک نقشہ عورتوں کا لانبے لانبے سر پہ بال

روپ میں مچھلی کے بالآخر وہ ظاہر ہو گئی — جل پری اب تک جو تھی اک پرتوِ خواب و خیال

ایک شاعر نے کہ جس کے جال میں آئی تھی وہ — جل پری کو اپنے حق میں کر لیا فوراً حلال

اک نئی مخلوق اس کے بطن سے پیدا ہوئی — ساتھ شاعر کے ابھی گذرا تھا کوئی نصف سال

یہ نئی مخلوق یعنی وارثِ اہلِ سخن — خشک و تر کا ایک سنگم تھی عجیب و بے مثال

جسم تھا انسان کا فطرت مگر مچھلی کی تھی — دیکھ کر پانی لگاتا تھا چھلانگیں نونہال

دو برس میں ہو گئی نشو و نما اس طفل کی — عام انساں کے لئے درکار ہوتے بیس سال

مادری بھاشا میں اپنی شعر بھی کہنے لگا — گرچہ ان اشعار کا مطلب سمجھنا تھا محال

پیروانِ افتخارِ جالب و احمد ہمیش — اس نئی مخلوق سے ملتی تھی جن کی بول چال

بس وہی حضرات سر دھنتے تھے سُن سُن کر کلام — بس انہی حضرات سے مانوس تھا وہ نونہال

اختلاطِ شاعر و ماہی کا پہلا تجربہ — قوم کے حق میں بنا، المختصر اک نیک فال

پھر تو گہرے پانیوں کو چھان مارا قوم نے — پھر تو سب کے دل میں آیا گھر بسانے کا خیال

پھر تو ہر شاعر کے حصے میں ملی اک جل پری — پھر تو ہر گھر میں نظر آنے لگے اہل و عیال

شاعروں کی نسلِ نو تیار پھر ہونے لگی
محفلِ شعر و سخن گلزار پھر ہونے لگی

MERMAID جل پری

شعرستان میں الکشن

شاعروں میں دفعتاً پیدا جو بیداری ہوئی
ملک کے اندر سیاست کی فضا طاری ہوئی

مرکزی 'ایوانِ شاعر' کی نشستوں کے لئے
انتخابِ اوّلیں کی جم کے تیاری ہوئی

چونکہ شعرستان میں شاعر ہی شاعر تھے تمام
ووٹروں کی لسٹ بننے میں نہ دشواری ہوئی

مملکت کا مختلف حلقوں میں بٹوارہ ہوا
اور اس کے بعد الکشن کی مہم جاری ہوئی

آ گیا میدان میں ہر ہر گروہِ شعر و سخن
ہر طرف پیدا فضائے گرم گفتاری ہوئی

کرشن موہن حلقۂ بسیار گوئی سے اُٹھے
حرمت الاکرام سے ٹکّر کی تیاری ہوئی

بیکل اُتساہی گلوکاروں کے تھے امیدوار
ان کے آگے ہیچ اوروں کی گلوکاری ہوئی

امن اور نازش لڑے قومی سخن کے منچ سے
کامیابی میں انھیں کوئی نہ دشواری ہوئی

انتخابی پیکٹ سردار اور منتل نے کیا
بات سمجھوتے کی دونوں میں بہ ہشیاری ہوئی

اردو مجلس سے ہوئے اعجاز صدیقی کھڑے
اور جیتے، تھی جو بازی اوّلاً ہاری ہوئی

جب فراق اہلِ غزل کے نامزد بن کر اُٹھے
ہر طرف سے ان کے حق میں دستبرداری ہوئی

حلقۂ افکارِ نو کی اک نشستِ خاص پر — شمسؔ فاروقی سے آپاشی کی مہم جاری ہوئی
دونوں جانب انتخابی پینترہ بازی کے ساتھ — بحث و تکرارِ عبث کی گرم بازاری ہوئی
دو نشستیں حلقۂ طنز و تبسم میں جو تھیں — ان پہ راہیؔ اور رفعتؔ کی عملداری ہوئی
ایسے لوگوں کو کسی دَل نے نہ کوئی لفٹ دی — مشتبہ جن کی ذرا سی بھی وفاداری ہوئی
شاعرانِ نکسلی تھے اس الکشن کے خلاف — ایک دن پہلے مگر سب کی گرفتاری ہوئی
تاڑ کے رس اور بھنی مچھلی کی دے کر دعوتیں — ووٹروں کی بعض حلقوں میں خریداری ہوئی
اس مہم میں تھے سلامؔ مچھلی شہری پیش پیش — ان کی یہ ترکیب ہر ترغیب پر بھاری ہوئی
جب الکشن کے نتائج کا ہوا اعلانِ عام — مملکت میں سخت حیرت کی فضا طاری ہوئی
اکثریت میں نہ آیا ایک بھی جرگہ کوئی — ہر جماعت کی تگ و دو کالعدم ساری ہوئی
چند کم مشہور لوگوں نے نشستیں جیت لیں — اور اکثر لیڈروں کی ذلت و خواری ہوئی
ضبط اکثر کی ضمانت ہو گئی، اور بعض کو — بچ نکلنے میں بہت ہی سخت دشواری ہوئی
رستمِ خطابد لو مہم کے حامیاں و سربراہ — یوں پٹے، گھر گھر بچاروں کی عزاداری ہوئی

اس شکستِ فاش سے کچھ اس قدر بد دل ہوئے
اختلاجِ قلب کی راہیؔ کو بیماری ہوئی

شعرستان اور ناقد

جا بسا جب ہر سخن ور ارضِ شعرستان میں
خاک سی اُڑنے لگی تنقید کے ایوان میں

ناقدینِ شعر کا حلیہ بدل کر رہ گیا
ان کا فنِ نکتہ چینی پڑ گیا بحران میں

جب کھڑی فصلیں ہی کھیتوں کی اجڑ کر رہ گئیں
ڈھیریاں لگتیں کہاں سے نقد کے کھلیان میں

وہ کہ جن کی دال روٹی کے ذرائع اور تھے
دوسروں سے نسبتاً کچھ کم رہے نقصان میں

ان کے حق میں بس زیادہ سے زیادہ یہ ہوا
ایک مد کم ہو گئی تفریح کے سامان میں

ایسے ناقد جن کا کوئی دوسرا پیشہ نہ تھا
جو لگے تھے جونک بن کر شاعری کی جان میں

ہجرتِ اہلِ سخن سے ان کی روزی چھن گئی
گھر گئے بے روزگاری کے گھنے طوفان میں

چند ہی دن میں ہوئے یوں کس مپرسی کا شکار
شکل بیچاروں کی آتی ہی نہ تھی پہچان میں

جب اثر اس ناگہانی شاک کا زائل ہوا
کچھ کمی واقع ہوئی اعصاب کے ہیجان میں

ناقدوں نے ایک دن میٹنگ اپنی کال کی
حال و مستقبل کے اندیشوں کو رکھ کر دھیان میں

بعد غور و خوض کے یہ بات آخر طے ہوئی
شاعروں کو پھر سے لایا جائے ہندستان میں

یا اگر ممکن نہ ہو تو شاعروں کے ساتھ ساتھ
ناقدوں کو بھی جگہ دی جائے شعرستان میں

کی گئی تیار اس مضمون کی اک عرضداشت
اور اسے بھیجا گیا سرکار کے ایوان میں

لکھنؤ، دہلی، علی گڈھ اور عظیم آباد سے
وفد بھی بھیجے گئے دو چار اس دوران میں

اس نئی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے
کچھ سیاسی ٹولیاں بھی آگئیں میدان میں

بعض ارباب حکومت کا ہوا گھیراؤ بھی
الغرض ہر بات کر گذرے جو تھی امکان میں

ناقدوں کی مانگ لیکن بے اثر ثابت ہوئی
یوں ہی جیسے رس نہ ہو اشعار بے اوزان میں

دے دیا سرکار نے ان کو ٹکا سا یہ جواب
شاعروں کو ہم بلائیں گے نہ ہندستان میں

طبقۂ بے روزگاراں سے ملی ہم کو نجات
جا بسی ہے قوم شاعر جب سے شعرستان میں

ان کو واپس لا کے ہم کیوں مشکلیں پھر مول لیں
بے سبب کیوں زندگی کو ڈال دیں خلجان میں

ناقدین شعر خود چاہیں اگر جانا وہاں
ہے اجازت شوق سے جائیں وہ شعرستان میں

اُن کی ہجرت میں رکاوٹ ہم نہ ڈالیں گے کوئی
بلکہ دیں گے ہر سہولت جو بھی ہے امکان میں

اب براہ راست ارباب سخن سے کی اپیل
ناقدوں نے رکھ کے ہجرت کا تصور دھیان میں

مدعا یہ تھا کہ مل جائے وہاں کی شہریت
تاکہ پھر گھڑ دوڑ ہو تنقید کے میدان میں

آ گیا لیکن وہاں سے بھی یہ روکھا سا جواب
ناقدوں کو ہم نہ آنے دیں گے شعرستان میں

ان کے چنگل سے بہ مشکل پائی ہے ہم نے نجات
جونک دوبارہ نہ لگوائیں گے اپنی جان میں

اس جواب تلخ سے کملا گئی ساری اُمنگ
جم گیا جو بھی تھا خوں تنقید کی شریان میں

سختیٔ حالات سے مجبور ہو کر آخرش
قفل ڈالا سب نے مل کر نقد کے ایوان میں

کوئی ناقد بن گیا ہاکر کسی اخبار کا
نوکری کر لی کسی نے پان کی دوکان میں

●

دَل بَدلی

چلتے چلتے دفعتاً پٹری بدلنے کا چلن
ہے سیاست کے قلابازوں کا اک مشہور فن

فائدہ ہوتا ہے وقتی طور پر اس کھیل میں
گو، ثقہ حضرات کہتے ہیں اسے بازارپن

شاعروں نے بھی اسے اپنا لیا ہے آجکل
کارآمد دیکھ کر یہ نسخۂ آہن شکن

ہو رہا ہے اس قدر مقبول یہ نسخہ کہ اب
دَل بدلتے رہتے ہیں دن رات اربابِ سخن

نِت نیا بہروپ لازم ہے پئے اظہار ذات
جب نظر کے سامنے ہو فن برائے مکر و فن

وہ زمانہ جب کہ بزم شعر تھی اک رزم گاہ
چھوڑ دی تھی ہر نئے شاعر نے رفتارِ کہن

گھولتے رہتے تھے وہ حضرات جامِ شعر میں
نغمۂ بُلبل کے بدلے شورشِ دار و رسن

ہوٹلوں میں بیٹھ کر ہوتا تھا ذکرِ انقلاب
اپنے سر سے باندھے پھرتے تھے تخیل میں کفن

ان میں کچھ لیڈر صفت تھے اور کچھ والنٹیر
جُھنڈ میں سُرخاب کے ہوں جس طرح زاغ و زغن

نعرہ بازی میں اگر ہوتے تھے لیڈر پاؤسیر
ان کے ہر والنٹیر کا وزن ہوتا ڈیڑھ من

رفتہ رفتہ شور، غوغائے سخن کا جب تھما
لگ گیا جب ماہ تخشب میں حوادث کا گہن

آ گئے کچھ اور کرتب باز بزمِ شعر میں
اک ذرا سا جانتے تھے جو نظر بندی کا فن

سونگھ کر موسم کی بُو اور رُخ ہوا کا دیکھ کر
کینچلی بدلی ہر اک والنٹیر نے دفعتاً

صبح دم دیکھا تو ٹیڈی سوٹ میں ملبوس ہیں
پھینک کر چپکے سے اپنا انقلابی پیرہن

سر کے بالوں کی سفیدی ہو گئی غرقِ خضاب
تہہ بہ تہہ غازہ لگا کر دور کی رُخ کی شکن

شاعری کی عمر تھی گو بیس یا پچیس سال
لیکن اپنے فن میں وہ بالقصد لائے بال پن

کر دیا بہرِ صدارت پیش اپنے آپ کو
جب بنائی چند نو مشقوں نے کوئی انجمن

اس طرح گھس بیٹھ کرتے کرتے یہ والنٹیر
بن گئے اب خام ذہنوں کے امامِ فکر و فن

ان کا مقصد ہے اگر کچھ تو حصولِ منفعت
انقلابی شاعری ہو یا معمّاتی سخن

شعرستان میں کبوتر بازی

شعر کہتے کہتے تھک جاتے ہیں جب اہلِ سخن　　اس ریاضِ مستقل سے جب اکڑ جاتا ہے تن
اپنی اپنی ہابیوں سے شغل فرماتے ہیں سب　　اس طرح اعصاب کو آرام پہنچاتے ہیں سب
شاعرانِ کانپور و غازی پور و سہسرام　　زیبؔ و فاروقیؔ و سلطانؔ اخترِ عالی مقام
جو کہ ہندستان میں نامی کبوتر باز تھے　　رات دن، جن کے گرہ باز و لقہؔ و سانپ تھے

آرہے تھے جب مہاجر بن کے شعرستان میں　　چند کابک بھی چھپا کر لائے تھے سامان میں
تھے کسی کابک میں شیرازی کسی میں کلسرے　　کاغذی تھے ایک میں اور ایک میں ریشم پرے
ایک میں سبزے، ہرے تھے ایک میں چلتی خدنگ　　جو فضا میں چھوٹ جائیں تو اڑیں مثلِ پتنگ
تو ہیں د ہوم بھی تھا، گولہ بھی تھا دوباز بھی　　نامہ بر، چپار، چاہے، اور فلک پرواز بھی

الغرض ان شاعرانِ نو کا یہ شوقِ قدیم　　بن گیا اوقاتِ فرصت میں یہاں ان کا ندیم
جب کہ گولہ ان کا اڑتا ہے فضا میں بے درنگ　　قلبِ فاروقیؔ میں اٹھتی ہے نئی فکری ترنگ
اس کبوتر سے جو فطرت ان کی ہم آہنگ ہے　　ہر پرانے شعر گو سے مستقل اک جنگ ہے
شاعری سے عاجز آئے ہیں بچارے اس قدر　　زیبؔ غوری گنتے رہتے ہیں لقہ کی دُم کے پر

حضرت سلطان اختر دونوں سے ہشیار ہیں
شاعری کی طرح اس فن کے بھی وہ سردار ہیں

زیب و فاروقی کے پیچھے جونہی بھرتے ہیں اڑان
جھٹ سے ان کے بھی فلک پرواز کرتے ہیں اڑان

اپنے شہپر کے شکنجوں میں پھنساتے ہیں انھیں
اور پھر کابک میں اپنی گھیر لاتے ہیں انھیں

اتنی سرعت سے یہ سلطانی مہم ہوتی ہے سر
ٹکٹکی باندھے ہی رہ جاتے ہیں دونوں ڈیڈور

ان کبوتر باز فن کاروں کی شہرت دیکھ کر
شاعری اور اس پہ یہ فنی مہارت دیکھ کر

کچھ نئے شاعر کبوتر باز بننے کے لئے
ارضِ شعرستان میں ہیں اپنے پر تولے ہوئے

ان کی نظروں میں یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں
شعر ہو وہ یا کبوتر دونوں ہم مفہوم ہیں

وہ سمجھتے ہیں کہ جو شاعر کبوتر باز ہے
شاعرانہ فکر اس کی آسماں پرواز ہے

جیسے ہی کانوں میں آتی ہے غٹرغوں کی صدا
ان کے تخلیقی عمل کی کھڑکیاں ہوتی ہیں وا

ان کے شعروں میں نظر آتا ہے جھنگوں کا جو رنگ
در حقیقت اس میں پوشیدہ ہے لوٹن کی ترنگ

دیکھ کر گوتوں کی جنگی مشق، ان کی شاعری
رفتہ رفتہ بن رہی ہے ترجمانِ بہمی

مختصر یہ ہے کہ نسلِ نو کے اربابِ سخن
سیکھتے ہیں شعر کے بدلے گرہ بازی کا فن

شہرت کے لئے

کسی نے یہ سُقراط سے جا کے پوچھا
کہ اے ماہرِ حکمت و مردِ دانا

بتا، کیا ہے تحصیلِ شہرت کا نسخہ — جو ہو زود اثر اور قیمت میں سستا
ادب کی عمارت میں گھسنے کی خاطر — کمندیں لگانے کا کیا ہے طریقہ
وہ گُر کون سا ہے کہ جس کے سہارے — ادیبوں کی صف میں ہو میرا بھی چرچا
وہ ترکیب کیا ہے کہ ہر ماہ پیہم — رسالوں میں چھپنے لگے نام میرا
سوالی کی باتیں بصد غور سُن کر — مرض اس کا سُقراطِ دانا نے سمجھا
عمل کرتے رہنے کی دے کر ہدایت — اُسے کسبِ شہرت کا نسخہ بتایا
کہا۔ پہلے تو مشقِ صد چہرگی کر — لگا، مختلف رنگ کا رخ پہ غازہ
نہ دکھلا کبھی اصل چہرہ کسی کو — رہے شخصیت تیری بن کر معمّہ
کبھی گفتگو میں نہ بڑھ "ہوں" سے آگے — کسی کو نہ دے تو سراغ اپنے دل کا
بہ ظاہر سبھوں سے دکھا انکساری — بہ باطن جڑ احباب کی کاٹتا جا

فقط اپنے ہی فائدے پر نظر رکھ
بنا دوستوں کو ترقی کا زینہ

حوالی موالی کو رکھ گرد اپنے
جو پیٹا کریں رات دن ڈھول تیرا

ادب میں جو ہو رائج الوقت فیشن
بنا اس کو معیار اپنے سخن کا

رہیں چلتی پھرتی ترے فن کی لہریں
ہوا ہو جدھر کی اُدھر تو بھی مُڑ جا

کبھی نقل کر جوشؔ کے گھن گرج کی
کبھی مُنہ چڑھا میرؔ کی شاعری کا

ترقی پسندوں کا جب دور آئے
تو ان کا مصاحب بن اور خوب اترا

ترقی پسندی کا سورج جو ڈوبے
نئی شاعری کا رضاکار بن جا

نئی شاعری سے بھی رسی تُڑا لے
بڑھے زور جب نکسلائٹ ادب کا

کھرے اور کھوٹے کا چکّر غلط ہے
سدا ڈھونڈ اپنے لئے چور رستہ

ضعیفی جو بالوں کے اندر سے جھانکے
لگا سر میں اپنے خضاب اور "لوما"

بنا انجمن ایک نابالغوں کی
صدارت کی کرسی پہ خود کر لے قبضہ

نشستوں کی روداد لکھ لکھ کے خود ہی
ہر اک روزنامے میں جا جا کے چھپوا

تراشہ ہر اخبار کا سینت کر رکھ
بوقت تعلّی انھیں کام میں لا

کٹک، بمبئی، لکھنؤ اور دہلی
جہاں سے بھی نکلے کوئی ماہنامہ

غزل بھیج اپنی برائے اشاعت
مدیروں سے فوراً ہی کر ربط پیدا

چھپے جب کوئی نظم تو دوستوں سے
ایڈیٹر کو تعریف کے نامے لکھوا

پرانی وہ نظمیں جو شائع شدہ ہوں
نئے ماہناموں میں چھپوا دوبارہ

بڑھا شاعروں اور ادیبوں سے پینگیں
ذرا جم کے مکتوب بازی میں لگ جا

کوئی شاعر آئے ترے شہر میں جب — تو اپنے یہاں اس کو مہمان ٹھہرا
نشست اس کے اعزاز میں ایک رکھ دے — حوالی موالی کو کر کے اکٹھا
کچھ اس درجہ ممنون ہو گا وہ شاعر — کہ تا عمر تیرا قصیدہ پڑھے گا

غرض یوں ہی دن رات گھس بیٹھ کر کے
تماشائے بزمِ ادب دیکھتا جا
تجھے لفٹ ملتی رہے گی برابر
کہ اب تو زمانہ ہے گھس بیٹھیوں کا

شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

کِسان

دہقاں کو شکایت ہے یہ دن رات خُدا سے — اس سال بھی بارش نہ ہوئی کھیت ہیں پیاسے
آئیں تو بہت جھوم کے ساون کی گھٹائیں — اِغوا انھیں کر لے گئیں پورب کی ہوائیں
دریا پہ ترا ابرِ کرم ٹوٹ کے برسے — اور کھیت مرا فصل ہیں دو بوند کو ترسے
بیٹھا تھا میں دن رات یہی آس لگائے — شاید تری رحمت مری کُٹیا پہ بھی آئے

شاید دلِ ناشاد مرا شاد کبھی ہو
شاید مِرا کھلیان بھی آباد کبھی ہو

مہاجن

بھگوان سے شکوہ ہے مہاجن کو یہ دن رات — کیوں دل کو جلانے کے لئے آئی ہے برسات
کھیتوں پہ برستی ہوئی ساون کی گھٹا ہے — یا سانپ کلیجے پہ مرے لوٹ رہا ہے

بارش نے مرے خواب کی دُنیا کو اُجاڑا
مَیں بھول گیا اپنے منافع کا پہاڑا
برسے گا جو کھیتوں پہ اسی طرح سے پانی
پھر کاہے کو ہو گی کبھی غلّہ کی گرانی
جب قحط ہی اس سال نہ بھگوان پڑے گا
غلّے کا ذخیرہ مری دوکاں میں سڑے گا

عاشق

عاشق کو یہ شکوہ ہے خدائے دوجہاں سے
کیوں چھین لیا تو نے اثر آہ وفغاں سے
پُورا مرے ارمان کا سپنا نہیں ہوتا
معشوق کسی ڈھب سے بھی اپنا نہیں ہوتا
مَیں لاکھ چلا داؤں، پہ ہر داؤں ہیں ہارا
اس نے مرے ہر شہ کو پیادوں ہی سے مارا
تعویذ بھی لکھوائے ہیں، چلّے بھی اُتارے
لیکن مری کشتی نہ لگی گھاٹ کنارے
جُز تیرے میں فریاد کروں بھی تو کہاں اور
دے اور دل اس کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

معشُوق

معشوق کو شکوہ ہے یہ اللہ میاں سے
میں تنگ ہُوں عُشّاق کی فریاد وفغاں سے
کم بخت مجھے چین سے سونے نہیں دیتے
یک سو مرے افکار کو ہونے نہیں دیتے
آنکھوں کے پپوٹوں پہ لبائے ہوئے برسات
آہوں کا دُھواں مُنہ سے اُگلتے ہوئے دن رات
فرہاد کے انداز میں مجنوں کا کیئے پوز
پھیرا مری ڈیوڑھی کا لگاتے ہیں شب روز

تیری ہی دہائی ہے مرے پالنے والے
اب اور کوئی مشغلہ کر اُن کے حوالے

مانا کہ نہیں ہیں وہ کسی کام کے قابل
انعام کے قابل ہیں نہ اکرام کے قابل

مُریل ہیں وہ مزدوری کما بھی نہیں سکتے
جاہل ہیں وہ بچّوں کو پڑھا بھی نہیں سکتے

جو چاہے وہ کر سکتی ہے لیکن تری قدرت
دلوا دے اُنھیں تو کسی صوبے کی وزارت

مریض

اللہ سے رہتی ہے مریضوں کو شکایت
ہے ضیق میں جاں اپنی حکیموں کی بدولت

دُنیا میں جب آنے کا اُنھیں اِذن دیا تھا
کیوں دستِ شفا سے انھیں محروم کیا تھا

دس بیس ورق پڑھ کے "علاجُ الغربا" کے
ہر موڑ پہ بیٹھے ہیں وہ دوکان سجا کے

دوکان کے دلّال بھی، عطّار بھی خود ہیں
مالک بھی، منیجر بھی ہیں، مختار بھی خود ہیں

یعنی کہ ہیں خود بیضہ و خود مُرغک و چوزہ
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِلِ کوزہ

گو نبض شناسی میں وہ کورے ہیں سراسر
ہے زعم کہ ہیں بُو علی سینا سے بھی بڑھکر

چہرے کے عوض جیب مریضوں کی ہیں تکتے
حیثیتِ بیمار پرکھتے ہیں وہ پہلے

پھنستا ہو اگر دام میں زردار اسامی
بن جاتا ہے اس قوم کی جاگیرِ دوامی

کرتے ہیں وہ آساں ملکُ الموت کی مشکل
اسہال میں تجویز کیا کرتے ہیں مُسہل

کہتے ہیں تپ دق کو خیالات کی تبخیر
پیچش کے مرض کو وہ سمجھتے ہیں بواسیر

حکیم

دن رات حکیموں کو یہ شکوہ ہے خدا سے — یہ فصل بھی خالی گئی ہیضے کی وبا سے
ناسازیٔ تقدیر کے ہم صید ہیں یارب — طاعون کے چوہے بھی تو ناپید ہیں یارب
جب سے کہ امیروں کی زمینداری گئی ہے — کُشتوں کی جو الماری تھی وہ بند پڑی ہے
معجون مقوّی سے خمیرا اٹھنے لگا ہے — بوتیام دواؤں سے بھرا یونہی پڑا ہے
گُل پھینکے ہے اَوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — یارب نگہِ لُطف کی اک چھوٹ اِدھر بھی

پوشیدہ ہے اس قوم کا جب رزق وبا میں
تو چھوڑ دے زہریلے جراثیم ہوا میں

گھریلو منصوبہ

اب کے بیگم مری میکے سے جو واپس آئیں
ایک مُرغی بھی بصد شوق وہاں سے لائیں

مَیں نے پوچھا کہ مری جان ارادہ کیا ہے
تن کے بولیں کہ مجھے آپ نے سمجھا کیا ہے؟

ذہن نے میرے بنائی ہے اک ایسی اسکیم
دنگ ہوں سُن کے جسے علمِ معیشت کے حکیم

آپ بازار سے انڈے تو ذرا دوڑ کے لائیں
تا کہ ہم جلد سے جلد آج ہی مُرغی کو بٹھائیں

تین ہفتوں میں نکل آئیں گے چُوزے سارے
تو بھی آپ کو پیار آئے وہ پیارے پیارے

چھ مہینے میں جواں ہو کے وہی مُرغ بچے
نسل پھیلاتے چلے جائیں گے دھیرے دھیرے

دیکھ لیجے گا بہ تائیدِ خدائے دانا
پولٹری فارم بنے گا مرا مُرغی خانہ

پولٹری فارم میں انڈوں کی تجارت ہوگی
دُور عسرت اسی مرغی کی بدولت ہوگی

مَیں وہ عورت ہوں کہ حکمت مری مَردوں کو چرائے
انہی پیسوں سے خریدوں گی مَیں کچھ بھینس اور گائے

"ڈائری فارم" بنے گا وہ ترقی ہوگی
جُوئے شیر آپ کی انگنائی میں بہتی ہوگی

عقل کی بات بتائی ہوں اچنبھا کیا ہے
دودھ سے آپ کو نہلاؤں گی سمجھا کیا ہے

بچے ترسیں گے نہ مکھن کے لئے گھی کیلئے
آپ دفتر میں نہ سر ماریں گے روٹی کیلئے

میرے خوابوں کے تصدق ہیں بشرط تعمیل چند ہی سال میں ہو جائے گی دنیا تبدیل

سحر تدبیر کا تقدیر پہ چل جائے گا
جھونپڑا آپ کا کوٹھی میں بدل جائے گا

الغرض ہوتی رہی بات یہی تا سرِ شام نو بجے رات کو سونے کا جو آیا ہنگام
سو گئیں رکھ کے حفاظت سے اُسے زیرِ پلنگ خواب میں آتی رہی نشۂ دولت کی ترنگ
سُن رہی تھی کوئی بلّی بھی ہماری باتیں پیاری بیگم کی وہ دلچسپ وہ پیاری باتیں
رات آدھی بھی نہ گذری تھی کہ اک شور مچا چیخ مُرغی کی سُنی نیند سے میں چونک پڑا
آنکھ ملتا ہوا اُٹھا۔ تو یہ نقشہ پایا اس بیچاری کو صحنچی میں تڑپتا پایا

دانت بلّی نے گڑائے تھے جو گردن کے قریب
مر گئی چند ہی لمحوں میں پھڑک کر وہ غریب

صُبح کے وقت غرض گھر کا یہ نقشہ دیکھا چہرہ بیگم کا کسی سوچ میں لٹکا دیکھا

روٹی بچّوں نے جو مانگی تو دو ہتّڑ مارا
اِسے گھونسا، اُسے چانٹا، اسے تھپّڑ مارا

(۱۹۵۶ء)

مچھّروں کا گیت

خلوصِ دل سے گاتے ہیں عظیم آباد کے مچھّر
بڑے داتا ہیں اپنے بلدیہ کے اسپیشل افسر

انھیں کا فیض ہے جو گندگی پھیلی ہے سڑکوں پر
انھیں کے فیض سے مسکن ہے اپنا شہر کا ہر گھر

انھیں کی مہربانی ہے جو آزادی ملی ہم کو
ہماری قوم کے حق میں ہیں وہ انگریز سے بڑھ کر

جلوس اپنا جہاں چاہیں جدھر چاہیں نکالیں ہم
نہیں ہے ہم کو "پبلک سیفٹی آرڈر" کا مطلق ڈر

ہماری پرورش کے واسطے پٹنہ کی گلیوں میں
کہیں کوڑے کی ڈھیری ہے کہیں بھینسوں کا ہے گوبر

ہماری قوم کا آبائی مسکن تھا کبھی جلاّ
مگر اب نو وطن ہے خاص بانکی پور کے اندر

رسیٰ سے لیکے اسٹیشن تک اپنا بول بالا ہے
یہ سبزی باغ کے نالے ہیں اپنے کلچرل سنٹر

ہمارے مورچوں پر کوئی دشمن چڑھ نہیں سکتا
فلٹ کا توپ خانہ ہو کہ ڈی۔ڈی۔ٹی کا ہو بمبر

محلّوں کا ہر اک نالہ ہے اسٹالن گراڈ اپنا
شکستِ فاش کھاتا ہے صفائی کا جہاں لشکر

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
ٹرک ہے آئینہ اور گندگی اس کے لئے جوہر

غلاظت میں بھی پوشیدہ ہے اک صورت بھلائی کی
ضروری کھاد ہے کشتِ تمدن کے لئے گوبر

بڑھی رونق، دواخانوں، مطب اور اسپتالوں کی
غلاظت کا اثر پڑنے لگا جب عام صحت پر

تجارت شہر میں ایسے طبیبوں کی بھی چل نکلی
جو پہلے مارتے تھے دن کو مکھی رات کو مچھر

ہر اک موسم میں مچھر دانیاں بکنے لگیں اتنی
کہ پھیری کرنے والے بن گئے کپڑے کے سوداگر

گلی کوچوں میں اور سنڈاس میں تفریق مشکل ہے
تعفن نے کیا پٹنہ میں قائم سوشلسٹ آرڈر

خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے کبھی زاہد
ہمارے نیشتر کا قرض ہے شب زندہ داروں پر

ہمیں ہیں شامِ ہجراں میں انیسِ دردِ تنہائی
ہمیں عاشق کے ارمانوں کو بہلاتے ہیں گا گا کر

ہماری موسیقی کی جب صدا کانوں میں آتی ہے
تو کس شفقت سے کہتے ہیں ہمارے ہیلتھ افسر

مبارک ہو حصولِ رزق کی آزادیٔ کامل
کرودِ مشقِ ستم خونِ دو عالم میری گردن پر

(۱۹۵۰ء)

اللہ رے مادّہ

رہتے تھے اک حکیم ہمارے جوار میں
شہرہ بہت تھا آپ کا سارے دیار میں
آتا تھا جو مریض بھی بہرِ معالجہ
کوئی مرض ہو دیتے تھے جلّاب کی دوا

اک بار اک مریض، کہ پانی تھا پیٹ میں
قسمت سے اپنی آگیا اُن کی لپیٹ میں
دستِ شفا سے نبض کی رفتار دیکھ کر
اور چشمِ غور سے رُخِ بیمار دیکھ کر

فرمایا آپ نے کہ ہے معدہ کا کُل فساد
تکثیرِ تغذیہ سے ہے آنتوں میں انجماد
اس کے لئے بھی نسخۂ مسہل رقم ہوا
جُلّاب سے غریب کی ناکوں میں دم ہوا

دن میں دست آ گئے حالت ہوئی سقیم
لیکن تھے اس خبر سے بہت مطمئن حکیم

کہتے تھے مادہ ہے شکم میں بھرا ہوا
واحد علاج اس کا ہے اخراج و انخلا

دست آور ادویہ میں اضافہ ہُوا کیا
جس نے گھلا گھلا کے اسے اَدھ مُوا کیا

جوں جوں خبر پہنچتی تھی تغئیر حال کی
خود داد دیتے جاتے تھے اپنے کمال کی

ارشاد تھا کہ مادّہ باقی ہے اب تلک
صحت نہ ہوگی ہوگا نہ اخراج جب تلک

اتنے میں اطّلاع یہ آکر کسی نے دی
روحِ مریض جسم سے پرواز کر گئی

یہ سُنتے ہی حکیم کا چہرہ اُتر گیا
سنجیدگی سے بولے کہ "اللہ رے مادّہ"

(۱۹۶۲ء)

شاعرِ بسیار گو

شاعرِ بسیار گو سے ہے یہ میری التماس
آپ یوں لِلّٰہ سامع کو نہ کیجے بدحواس

آپ کے اشعار ہیں یا ٹڈیوں کی فوج ہے
اک بلائے ناگہانی موج اندر موج ہے

مختصر سی رسمِ ختنہ اور اس پر تیس شعر
عقد کے دُولہ کی تقریب اور چالیس شعر

اس طرف کوئی مرا اور نطق گوہر بار ہے
لاش ابھی اُٹھی نہیں اور نظم اک تیار ہے

شعر کی مجلس میں پہنچے اور فضا تھرا اُٹھی
ابتری ماحول پر چھائی، ہوا تھرا اُٹھی

مَیں نے مانا شاعری کا آپ کو بحران ہے
آپ کی فکرِ سخن پرچُون کی دوکان ہے

ہے بجا ذہن آپ کا اک فیلِ بے زنجیر ہے
آپ کی تخئیل میں جُلّاب کی تاثیر ہے

آپ ڈھیلی کر کے رکھ دیتے ہیں نَس نَس شعر کی
اُف یہ چوغزلہ اور اس پر ہر غزل دَس شعر کی

آپ کو جتنے قوافی مل سکے فرہنگ میں
اُن کو ٹھونسا لا کے غزلوں کی قبائے تنگ میں

اور پھر سودا ہوا یہ آپ کے سر پر سوار
اب اُٹھو چل کر نکالیں سننے والوں کا فشار

آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ سامع کا دماغ
کاسۂ فولاد ہے یا سنگ خارا کا ایاغ

جس پہ نیزابِ سخن کا کچھ اثر ہوتا نہیں
جس پہ شعروں کا ہتھوڑا کارگر ہوتا نہیں

آپ کی بسیار گوئی کا تماشا دیکھ کر
دم بخود ہیں صاحبانِ ذوق و اربابِ نظر

آپ کے سر پر مسلّط جذبۂ تحسین ہے
اور ادھر سب کی زباں پر سورۂ یٰسین ہے

●

آئینہ

ایک مُلّا تھے کسی شہر کی مسجد میں امام
ایک دن زینتِ منبر تھے وہ فردوس مقام

تھا یہ ارشاد کہ روزہ ہے بنائے ایماں
تھا یہ ارشاد کہ طاعت ہے اساسِ اسلام

تھا یہ ارشاد کہ ہیں لہو و لعب، فسق و فجور
تھا یہ ارشاد کہ ہیں رقص و غنا دونوں حرام

تھا یہ ارشاد کہ طبلے کی سنے گا جو گمک
اس کے کانوں میں نہ پہنچے گا فرشتوں کا کلام

تھا یہ ارشاد کہ ماڑی کی اُلٹ دو لبنی
اس کے بدلے میں ملے گا تمہیں کوثر کا جام

تھا یہ ارشاد کہ جنّت میں بنائے گا وہ قصر
ساٹھ بھوکوں کو جو اک وقت کھلائے گا طعام

تھیں پسِ پردہ اسی بزم میں ان کی زوجہ
ہینڈکی کو بھی ہوا اُن کے یہ تقریر کا کام

آتے ہی گھر میں بصد شوق چڑھا دیں دیگیں
کوچے کوچے میں ہوا لے کے گئی لُٹنے طعام

ہوگئے جمع محلے کے غریب و نادار
دیکھتے دیکھتے ڈیوڑھی پہ ہوا مجمعِ عام

لوٹے کچھ دیر میں مسجد سے جو مُلّا صاحب
دی فقیروں نے دُعا اور کیا جھک کے سلام

رنگ یہ دیکھ کے چکرا گیا حضرت کا دماغ
گھر میں داخل ہوئے جھنجھلا کے بہ تعجیلِ تمام

اور بیوی سے کہا کیوں جی؟ یہ کیسا ہے ہجوم
بولیں بیوی کہ مبارک ہے بہت آج کی شام

قصرِ جنّت میں بنانے کا جو ارماں ہے مجھے
ساٹھ بھوکوں کو کھلانے کا کیا سرانجام

بولے سر پیٹ کے مُلّا کہ خدا کی لعنت
تجھ سی عورت کا تو ہے قعرِ جہنم میں مقام

اپنا گھر پھونک کے جنت میں بنا تی ہے مکاں
کیا یہی حکم شریعت ہے ارے نافرجام

تو مرے وعظ کا کیا خاک سمجھتی مطلب
تو ہے شیطان کی خالہ وہ خدا کا تھا پیام

فرض بندوں کا شریعت پہ عمل کرنا ہے
ہم سے "اللہ کے پیاروں" کا فقط وعظ ہے کام

ڈکٹیٹر کا سر

کہتے ہیں ایک شہر میں اک ڈاکٹر کے گھر
پہونچا کوئی مریض کہ تھا سر میں کینسر

اچھی طرح سے ماہرِ فن نے مریض کو
جانچا لٹا کے اپنے کلینک کی میز پر

تشخیص یہ ہوئی کہ ہے دشوار جاں بری
فوراً نہ آپریٹ ہوا زخمِ سر اگر

پھر کھوپڑی کو چیر کے نشتر کی نوک سے
اک طشتری میں رکھ دیا بھیجا نکال کر

آلاتِ برقیہ کی مدد سے کیے ہلاک
اندر جہاں جہاں تھے جراثیمِ کینسر

ٹانکے لگاتے وقت مگر ڈاکٹر غریب
بھولے سے مغز رکھ نہ سکا اندرونِ سر

قصہ ہے مختصر کہ مرض سے ملی نجات
خوش خوش گیا مریض کلینک سے اپنے گھر

تھا اپنی کامیابی پہ سرجن بھی مطمئن
سازش تھی حادثات کی کچھ اور ہی مگر

اک روز اتفاق سے اس کی نظر پڑی
رکھا ہوا تھا مغز حفاظت سے میز پر

یہ دیکھتے ہی سن سے ہوا جی غریب کا
جھلا گیا خود اپنی حماقت پہ ڈاکٹر

لاحق ہوئی یہ فکر کہ بھیجا مریض کا
سر کے خلا میں ڈال دیا جائے جلد تر

دیوانہ وار شام و سحر ڈھونڈتا پھرا
اس شخص کا چلا نہ کہیں بھی پتہ مگر

دو سال یوں ہی چشم زدن میں گزر گئے — حاصل ہوا تلاش کا لیکن نہ کچھ ثمر
اتنے میں ایک روز کلینک کے سامنے — دیکھا کہ اک جلوس رواں ہے بہ کرّوفر
اور کر رہا ہے اس کی قیادت وہی مریض — جس کی تلاش میں وہ پریشاں تھا اس قدر
لب پر ہے انقلاب کا نعرہ فلک شگاف — لرزاں ہیں جس کی گونج سے دیوار و بام و در
اک ہاتھ میں ہے پرچم قومی لئے ہوئے — اور دوسرے میں تھامے ہوئے کیسۂ زر
دیکھا جو ڈاکٹر نے اچانک یہ ماجرا — لپکا سوئے جلوس، بہ تعجیل دوڑ کر
تکمیلِ آرزو کی جو منزل قریب تھی — فرطِ خوشی سے رقص کناں تھے دل و جگر
پہلو میں جا کے اپنے پرانے مریض کے — چپکے سے کان میں یہ کہا۔ آپ تھے کدھر
نادم ہوں اپنی بھول پہ کر دیجیے معاف — چلیے کہ سر میں آپ کے رکھ دوں میں مغز سر
یہ سن کے مسکرانے لگا قائدِ جلوس — بولا۔ اب احتیاج نہیں اس کی ڈاکٹر
جب تک تھا مغز سر میں کوئی پوچھتا نہ تھا — اور آج قوم، ریشۂ خطمی ہے سر بسر

ڈکٹیٹروں کو مغز کی حاجت نہیں کبھی
ایسی فضول شئے کی ضرورت نہیں کبھی

●

مکھّن

طاقت ہے قلم میں، نہ میسّر ہیں وسائل
کس طرح رقم کیجیے مکھّن کے فضائل

کھانے سے زیادہ ہیں لگانے کے فوائد
واللہ کہ ہم اس کی کرامت کے ہیں قائل

تیّار کیا جائے جو الفاظ کو مَتھ کر
ہوتا ہے وہ تاثیر میں حلّالِ مسائل

دو چار پلیتھن میں گھلے موم کی صورت
ہو کوہِ ہمالہ بھی اگر راہ میں حائل

زہراب کو وہ بادۂ صافی میں بدل دے
دم بھر میں کرے تلخیِ ایّام کو زائل

اربابِ سیاست کا یہی ہے وہ وسیلہ
کرتا ہے مہیّا جو ترقی کے وسائل

پہلو میں وزیروں کے جو پھرتے ہیں مصاحب
ان سے کبھی پوچھے کوئی مکھن کے فضائل

جو ناک پہ مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتے
ایسے بھی ہیں دو چار مدیرانِ رسائل

مکھن کا مگر ان پہ بھی چل جاتا ہے جادو
ہو جاتی ہے دم بھر میں اکڑ ان کی بھی زائل

مکھن میں لپٹا ہوا مکتوبِ خوشامد
حل کرتا ہے مضمون نگاروں کے مسائل

پرچوں میں نظر آئیں نہ کیوں پھر وہ مضامیں
صاف آتی ہو جن سے بہ خدا بوئے فنائل

اس فن کو سلیقے سے اگر سیکھ لے عاشق
معشوقِ ستم گر کے بدل جائیں خصائل

اعجاز سے مالش کے پگھل جائے دل اُس کا
عاشق پہ ہو وہ آپ ہی جی جان سے مائل

یہ بات پتے کی ہے عزیزانِ گرامی
جی چاہے تو کر لیجیے خود آپ ٹرائل

معرکۂ جہیز و دَینِ مہر

جیسے ہی نورِ چشم نے بی اے کیا ادھر — بزنس کا مال اُن کو سمجھنے لگے پدر
بیڑا ہوا تھا تھرڈ ڈویژن میں گرچہ پار — شادی کا بھوت باپ کے اوپر ہوا سوار
سودا بلیک میں جو چُکانے کا تھا خیال — گاہک کی جستجو میں لگے وہ نکو خصال
بیٹے کو چیک سمجھ لیا اسٹیٹ بینک کا — سمدھی تلاش کرنے لگے ہائی رینک کا
نسبت جہاں سے آئی، چھڑا جب کوئی ذکر — موٹر ملے جہیز میں لاحق رہی یہ فکر
القصہ اک بزرگ کے گھر بات طے ہوئی — حرص وہوس کی لاج رہی، دل کی جے ہوئی
بارات لے کے باپ گئے اہتمام سے — آؤ بھگت بھی خوب ہوئی دھوم دھام سے
ایجاب اور قبول کا وقت آیا جب مگر — نوشہ میاں اکڑ گئے شرعی نکاح پر
فرمایا دَینِ مہر کروں گا وہی قبول — جس پر ہوا تھا عقدِ جگر گوشۂ رسول
حجت بڑھی تو صاحبِ خانہ جھکے ذرا — کہنے لگے کہ آپ جو فرمائیں وہ بجا
لائیں گے ہم زباں پہ نہ حرفِ گُریز بھی — لیکن قبول کیجیے شرعی جہیز بھی
کیوں سلسلہ دراز ہو فرمائشات کا — دونوں طرف لحاظ رہے واجبات کا

سنتے ہی اس کلامِ سماعت نواز کو
مٹھی میں لے کے غیظ سے ریشِ دراز کو

نوشہ میاں کے والدِ ماجد اچھل پڑے
آتش فشاں پہاڑ کی صورت ابل پڑے

برداشت مال و زر کا خسارہ نہ ہو سکا
بزنس خراب ہو یہ گوارہ نہ ہو سکا

جاتے بھی میزباں تو کہاں ان کو چھیڑ کے
رکھ ڈالا سات پشت کا بخیہ ادھیڑ کے

جاری ہوا زباں سے وہ سیلِ مغلظات
ڈھلنے لگے نئے نئے زریں محاورات

تا ایں کہ میزباں کی حمیت بھی جاگ اٹھی
کچھ منچلے جوانوں کی غیرت بھی جاگ اٹھی

جوتی میں دال دونوں ہی جانب سے بٹ گئی
نسبت جو تھی پتنگ کی مانند کٹ گئی

شادی کا گھر فساد کا میدان بن گیا
ہلکا سا ابر اٹھتے ہی طوفان بن گیا

باراتیوں نے رنگ جو دیکھا کہ ہے خراب
بھاگے سروں پہ پیر کو رکھے بصد شتاب

لیکن بڑے میاں کو نہ راہِ مفر ملی
بد قسمتی غریب کو ہر گام پر ملی

بیٹے کے ساتھ ان پہ بھی جوتے برس پڑے
زد سے بچے جو ایک کی بے بھاؤ دس پڑے

کچھ منچلوں نے پھیر دیا سر پہ استرا
مونچھیں اڑیں چلا رخِ انور پہ استرا

ہولی کا پھر سوانگ بنایا گیا انھیں
دھوبی کے جانور پہ بٹھایا گیا انھیں

جب سے سنا ہے ہم نے یہ سنگین واقعہ
اولاد والوں کو یہی دیتے ہیں مشورہ

نورِ نظر کو مالِ تجارت بنائیے
لیکن زباں پہ نام شریعت نہ لائیے

رشوت

رشوت کو بُرا کہتے ہیں ارباب حماقت
کلجگ میں نہیں اس سے بڑی کوئی صداقت

ہے آج یہی طرۂ دستارِ زمانہ
ہے آج یہی زینتِ کرسیِ سیاست

حل ہوتا ہے رشوت سے ہر اک عقدۂ مشکل
اکثر اسی کنجی سے کھلا باب اجابت

جو کام کھٹائی میں پڑا رہتا ہے برسوں
اک آن میں ہو جاتا ہے رشوت کی بدولت

دن رات بناتا ہے جو پیسہ کی اٹھنی
پوچھے کوئی اس سیٹھ سے رشوت کی فضیلت

قاتل کو بچا لیتی ہے پھانسی کی سزا سے
اللہ کی رحمت ہے یہ، اللہ کی رحمت

انصاف کا پلّہ یہ جدھر چاہے جھکا لے
مٹھی میں لئے رہتی ہے میزانِ عدالت

آزادی جو انسان کا حقِّ ازلی ہے
مجرم کو عدالت میں عطا کرتی ہے رشوت

وہ شام کو ناگاہ بنا ریشۂ خطمی
جو صبح کو تھا منتقل اک کوہِ متانت

اکڑیل سے اکڑیل بھی چوں کر نہیں سکتا
جب کان پکڑ لیتی ہے مخدومۂ رشوت

اعجاز ہے اعجاز ہے رشوت کا اشارہ
اللہ رے اللہ رے رشوت کی کرامت

رشوت سے ٹھہر جاتی ہے دریا کی روانی
رشوت سے بدل جاتی ہے شعلہ کی طبیعت

آہن سے ٹپک پڑتا ہے خونِ دلِ عاشق
پتھر سے نکل آتا ہے مکھن بہ سہولت

سونے کا کلس مسجدِ جامع پہ چڑھے گا
سنتے ہیں کہ اک سیٹھ نے مانی ہے یہ منّت

یہ سچ ہے کہ رشوت کی رسائی ہے وہاں تک
یہ سچ ہے تو اللہ بھی ہے بندۂ رشوت

مُلازمت

"کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے"

گو آج تیل بیچ رہے ہیں گلی گلی
لیکن کبھی تھے ہم بھی چراغ اس دیار کے

ایم۔اے کیا تھا پاس بڑے امتیاز سے
اُمید تھی کہ دیکھیں گے دن اقتدار کے

دن رات صبح و شام تلاشِ معاش میں
کیڑے بنے رہے وَرَقِ اشتہار کے

درخواست دی، جہاں نظر آئی کوئی جگہ
ان مرحلوں سے گذرے جو تھے اختیار کے

اِنٹرویو کے نام پہ ہر بار بورڈ میں
جی بھر کے امتحاں بھی ہوئے خاکسار کے

یوں ماہروں نے ہم کو سوالات میں کسا
مُجرم پڑا ہو جیسے شکنجے میں دار کے

جیسے ہو گوسفند پہ قصّاب کی نگاہ
پنجے میں جس طرح ہو کوئی سُود خوار کے
قائل کیا انھیں مگر اپنے جواب سے
پلٹے تو سا کھ اپنی دِلوں میں اُتار کے
لیکن رزلٹ جب ہوا آؤٹ تو گول تھے
قربان جائیں گردشِ لیل و نہار کے
ہر بار یہ ہُوا کہ کوئی فون آگیا
گھر سے کسی مدبّرِ با اختیار کے
ان کا کوئی عزیز کسی دوست کا پسر
چکّر میں پڑگیا تھا غمِ روزگار کے
درخواست تک نہ دی تھی مگر حکمِ خاص سے
زُمرے میں لے لیا گیا اُمیدوار کے
انٹرویو بغیر تقرّر بھی ہو گیا
ہم خواب دیکھتے ہی رہے اقتدار کے

اس دھاندلی کے دَور میں ذی علم کیا کریں
بیچیں اگر نہ تیل اُمنگوں کو مار کے

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں

دن بہ دن تیز جو ہوتا گیا بازار کا بھاؤ
ہوا ناقابلِ برداشت گرانی کا دباؤ

ایک جانب سے ملاوٹ نے بھی شبخوں مارا
دوسری سمت سے قلت نے ہمیں للکارا

جبکہ خالی رہے پیٹ اور نہ ہو گھر میں اناج
غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج

اس لئے ہم نے تہیہ کیا مر جانے کا
تاکہ ہو خاتمہ بالخیر اس افسانے کا

بول کر جھوٹ کہ چوہوں نے کیا ناک میں دم
سنکھیا ایک دواخانہ سے لے آئے ہم

رات جب بھیگ چلی، سو گئے اہلِ خانہ
خوابِ خرگوش میں جب کھو گئے اہلِ خانہ

جیب سے ہم نے بھی چپکے سے نکالی پڑیا
اور جھٹ کھول کے منہ زہر کی کھالی پڑیا

سخت تلخی کا ہوا کام و دہن کو احساس
دم بدم موت کا ہونے لگا دل کو وسواس

دم اُلجھنے لگا ماتھے پہ پسینہ چھوٹا
ہم کو محسوس ہوا زیست سے رشتہ ٹوٹا

الغرض آنکھ جھپکنے لگی مرنے لگے ہم
یعنی سکرات کے عالم سے گذرنے لگے ہم

نغمۂ زیست رُکا، ٹوٹ گیا جسم کا ساز
کر گئی رُوح سوئے عالمِ بالا پرواز

کیا کہیں ہم نے پہنچ کر وہاں کیا کیا دیکھا
ہُو بہُو ولفیر اسٹیٹ کا نقشہ دیکھا

نہ گرانی تھی نہ قلت کا ذرا نام وہاں
چین ہی چین تھا آرام ہی آرام وہاں

اتنے میں رات کٹی صبح کے آثار ہوئے
بانگ دی مُرغ نے ہم خواب سے بیدار ہوئے

قبر کے بدلے جو بستر پہ نظر آئے ہم
پہلے دو چار منٹ کچھ نہ سمجھ پائے ہم

ہوش یکجا ہوئے جب، بات سمجھ میں آئی
صورت و گردشِ حالات سمجھ میں آئی

سنکھیا سے بھی علاجِ غمِ ہستی نہ ہُوا
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہُوا

کس سے اب کیجیے محرومیِ قسمت کا گِلہ
زہر کم بخت بھی اِس دور میں خالص نہ ملا

خدمتِ ادب

جب تک ادب برائے ادب کا رہا خیال
ادبار و مفلسی سے رہے ہم شکستہ حال

سائے کی طرح ساتھ نحوست لگی رہی
اک روگ بن کے جان سے عسرت لگی رہی

گو شاعری کا رنگ نکھرتا چلا گیا
شیرازۂ معاش بکھرتا چلا گیا

لیکن خدا بھلا کرے اک مہربان کا
جن کو ادب برائے شکم کا ہے تجربا

موصوف نے بتائی ہمیں وہ پتے کی بات
اب دن ہے روزِ عید تو شب ہے شبِ برات

"آل انڈیا مشاعرہ مجلس" کے نام سے
کھولا ہے اک ادارۂ نو دھوم دھام سے

کرتے ہیں شاعری کے عوض اب مشاعرہ
اس روزگار سے ہے ہمیں خوب فائدہ

ہر تین چار ماہ کے وقفے پہ بے خلل
اپنے پروگرام پہ کرتے ہیں ہم عمل

یعنی مشاعرے کا چلاتے ہیں کاروبار
چھپوا کے روزناموں میں جھوٹا یہ اشتہار

جوشؔ و فراقؔ و ساحرؔ و پرویزؔ شاہدی
فیضؔ و خلیلؔ و جذبیؔ و مخدومؔ و جعفریؔ

کرسی و عرش و لوح و قلم سب ہی آئیں گے
تازہ کلام اپنی زباں سے سنائیں گے

اس اشتہار میں وہ کشش ہے کہ اہلِ ذوق
لیتے ہیں داخلہ کا ٹکٹ دوڑ کر بہ شوق

سرکس میں جس طرح سے ہو خلقت کا اژدہام
یوں ہی مُشاعرے میں پہنچتے ہیں خاص عام

سب لوگ بیٹھ جاتے ہیں فرشِ زمین جب
مائک پہ جا کے کرتے ہیں اعلان ہم یہ تب

افسوس ہے کہ آنہ سکے جوشؔ اور فراقؔ
یہ ماسکو روانہ ہوئے وہ گئے عراق

جذبیؔ کو اختلاج ہے پرویزؔ ہیں علیل
گاڑی ذرا سی چوک سے مِس کر گئے خلیلؔ

بھیجی ہے فیضؔ و ساحرؔ و مخدومؔ نے خبر
سیٹ ان کو مل سکی نہ ہوائی جہاز پر

گو یہ خبر دِلوں کو گذرتی ہے ناگوار
ہوتا ہے جلسہ گاہ میں تھوڑا سا انتشار

لے کر مگر ذہانتِ فطری سے کام ہم
دم بھر میں سامعین کو کرتے ہیں رام ہم

ڈائس پہ ٹنک فروشوں کا رہتا ہے اک ہجوم
فلمی دُھنوں میں گانے کی جن کی بڑی ہے دھوم

جو خود ٹکٹ خرید کے آتے ہیں بزم میں
ہم ان سے اپنا کام چلاتے ہیں بزم میں

لے لے کے گٹکری جو سُناتے ہیں وہ کلام
اُڑتے ہیں واہ واہ کے نعروں سے سقف و بام

بزمِ نشاط بنتا ہے سارا مُشاعرہ
ہوتا ہے کامیاب ہمارا مُشاعرہ

خوش خوش گھروں کو جاتے ہیں حضّار اک طرف
نوٹوں کا ہم لگاتے ہیں انبار اک طرف

یہ خدمتِ اَدب کا طریقہ ہے لاجواب
پیشہ یہ وہ ہے جس میں منافع ہے بے حساب

●

خدّامِ ادب

اِک طرف اُردو کی قسمت روکشِ وِتنام ہے — یعنی اس کو ختم کر دینے کی سازش عام ہے
دوسری جانب جدھر بھی آج اُٹھتی ہے نگاہ — تال سُر کے اسلحوں سے لیس ہے اسکی سپاہ
ہر طرف سے اُٹھ رہا ہے شور دار و گیر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
شاعری کا مورچہ ہو یا محاذِ فکر و فن — چاند ماری کر رہے ہیں ہر طرف اہلِ سخن
دوسری کوئی زباں ایسی نہ ہوگی خوش نصیب — جسکی شُد بُد رکھنے والے سَو میں ہوں نوّے ادیب
ٹھٹ کے ٹھٹ ہیں شاعر و نقّاد و افسانہ نگار — جیسے چھاپہ مار گوریلے قطار اندر قطار
یوں ترقّی کر رہا ہے آج کل شعری ادب — پیشہ ور قوّال بھی شاعر بنے پھرتے ہیں اب
جس گلی میں آپ جا کر ڈگڈگی بجوائیں گے — در جنوں "فن کار" اُچھلتے کودتے آ جائیں گے
جاں نثارانِ زباں کا ایک دستہ اور ہے — جن کا مقصد اور، منزل اور، رستہ اور ہے
جن کا منشا خدمتِ اُردو برائے اشتہار — سستی شہرت کا جنوں ہے جن کے سینے پر سوار
جن کو ہے جی جان سے یہ شوق کہلائیں مدیر — ایک ہی دن کے لئے ہو خواہ، بن جائیں مدیر
بس اسی اک شوق کے مارے ہوئے یہ مہرباں — کھولتے رہتے ہیں نوزائیدہ پرچوں کی دکاں

مار لائے گھر سے یا سسرال سے تھوڑی رقم — اور پھر اک ماہنامے نے لیا جھٹ سے جنم
اک شمارہ ہی سہی لیکن نکلنا چاہیئے — کاروبارِ شوق جیسے بھی ہو چلنا چاہیئے
ہے وسائل سے غرض ان کو نہ کچھ معیار سے — صرف مطلب ہے نئے پرچوں کی پیداوار سے
جس طرح برسات میں پیدا ہوں حشراتِ زمین — جیتے مرتے ہیں دھڑا دھڑ یہ رسائل بھی یونہیں
اس پہ طرّہ یہ کہ ہو جیسے ہی پرچوں کا نزول — ہم پہ واجب ہے کریں ان کی خریداری قبول
ورنہ سر پر آ ہی جائے گا مدیرانہ عتاب — "دشمنِ اُردو" کا پا جائیں گے ہم فوراً خطاب
بعد آزادی بڑھا تھا جیسے داڑھی کا رواج — یا ہے جیسے آج ٹیڈی ازم کی زد میں سماج

یوں ہی فیشن بن گئی ہے پرچہ بازی آجکل
نام اِسی فیشن کا ہے اُردو نوازی آجکل

اقتباساتی ادیب

ایک صاحب کو ہوا یہ شوق کہلائیں ادیب
کوئی ایسا نُسخہ ہاتھ آئے کہ بن جائیں ادیب

تاکہ اخباروں میں نام ان کا نظر آنے لگے
ہر رسالہ ہر جریدہ مُفت گھر آنے لگے

سلسلہ خط و کتابت کا مدیروں سے چلے
اور ہم چشموں میں ان کا نام کچھ پھُولے پھلے

راستے میں تھیں مگر حائل کئی دُشواریاں
اک طرف کچھ گھاٹیاں تھیں اک طرف کچھ کھائیاں

شارٹ کٹ یا چور دروازہ نظر آتا نہ تھا
دھڑ نظر کے سامنے تھا، سر نظر آتا نہ تھا

طبعِ ناموزوں کو تھا شعر و سخن سے انحراف
گنبدِ تخئیل پر تھا نارسائی کا غلاف

ورنہ لکھ لکھ کر جدید انداز کی نظم و غزل
وہ کھڑا کر لیتے آسانی سے شہرت کا محل

فکرِ بے مایہ کے ہاتھوں اس قدر مجبور تھے
دیگر اصنافِ ادب بھی دسترس سے دور تھے

اک قریبی دوست نے ان کو پریشاں دیکھکر
لیلیِ شہرت کے پیچھے کوچہ گرداں دیکھ کر

بہرِ استعمال اک نسخہ مرتب کر دیا
شوق کو حضرت کے مفرد سے مرکب کر دیا

مشورہ یہ تھا کہ لکھیے اقتباساتی ادب
دوسرے الفاظ میں یعنی "حوالاتی ادب"

ڈالڈائی طرز کی مضموں نگاری کیجئے — اور پھر شہرت کے ٹٹو پر سواری کیجئے

ایسے موضوعِ سخن کا آپ کیجے انتخاب — لکھ گئے ہوں جس پہ مضموں ایں جناب و آنجناب

ان کے افکار و نظر میں ہو بلا سے اختلاف — نقل کیجے ان مضامیں سے کئی پیراگراف

قبل ہر پیرا کے لکھئے ہے "فلاں کا یہ خیال" — اپنی جانب سے نہ ہرگز کیجئے کچھ قیل و قال

ورنہ کھل جائے گی قلعی اور چھلک جائیگا ظرف — ربطِ مضموں کے لئے کافی ہے بس دو ایک حرف

اس طرح روزانہ اک مضمون لکھتے جائیے — اور نوزائیدہ پرچوں میں انھیں چھپوائیے

چھ مہینے، سال بھر میں یُوں چمک جائیگا نام
آپ کو حسرت سے دیکھیں گے سرور و احتشام

مکتوبی ادیب

ایک چرمی بیگ داہنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے
وہ جو اک حضرت چلے آتے ہیں کچھ اکڑے ہوئے

آپ ہیں اس ارضِ مردم خیز کے نامی ادیب
بلکہ اپنے رنگ کے اک بین الاقوامی ادیب

اک زمانہ تھا کہ افسانے لکھا کرتے تھے آپ
اور جاسوسی رسالوں میں چھپا کرتے تھے آپ

اک تخلّص کے سہارے شاعری بھی کی گئی
شعر کی مجلس میں جا کر داد بھی کچھ لی گئی

لیکن اب تو وہ زمانہ خود کہانی بن گیا
آپ کا فن بھی تبھی سے آنجہانی بن گیا

تھی مگر لپٹی ہوئی دامن سے شہرت کی ہوس
تاک میں تھا چور دروازے کی ذہنِ دور رس

آخرش وہ چور دروازہ نظر آ ہی گیا
ڈھونڈنے والا متاعِ آرزو پا ہی گیا

خط نویسی آپ کی شہرت کی ضامن بن گئی
حسرتِ بے توفیق کے حق میں وٹامن بن گئی

آٹومیٹک رائفل برسائے جیسے گولیاں
آپ تابڑ توڑ خط لکھتے ہیں یونہی بے تکاں

آپ کی نامہ نگاری کا ہے یہ ادنیٰ کمال
پوسٹ آفس میں لفافوں کا رہا کرتا ہے کال

خواہ آئے یا نہ آئے ایک بھی خط کا جواب
اوسطاً پچیس خط ہر روز لکھتے ہیں جناب

زد میں رہتے ہیں زیادہ تر مدیرانِ کبار
وہ بچے تو شاعر و نقّاد و افسانہ نگار

خط میں رہتی ہے رسالے کی ثنا کچھ اسقدر
پھول جاتا ہے مسرت سے مدیر مقتدر

یہ غزل ہے لاجواب اور وہ کہانی بےمثال
حرفِ اوّل میں تو بھائی جاں کھایا ہے کمال

بابِ مکتوبات میں وہ خط چھپے پھر کیوں نہیں
نام نامی زینتِ فہرس بنے پھر کیوں نہیں

رابطہ یوں ہی ہے قائم شاعر و نقّاد سے
ابتدا ہوتی ہے نامہ کی مبارکباد سے

آپ کی وہ نظم، وہ مضمون کیا ہی خوب ہے
کیا انوکھی بندشیں ہیں، کیا نیا اسلوب ہے

آپ نے مدّت سے کوئی خط نہ لکھا مہرباں
خیریت انکی بھی لکھئے بال بچّے ہیں کہاں

پرسشِ احوال جب ہوگی کچھ اس انداز سے
کون ہے جو خوش نہ ہوگا ایسے مکھن باز سے

الغرض اس خط نویسی کا ہے چرچا دور تک
شہرت معکوس ہے کشمیر سے میسور تک

●

رحمانیہ ہوٹل

پٹنہ کی سیاحت پہ جب آیا ہے تو اے شخص
اِس شہر کے رحمانیہ ہوٹل کو بھی آ دیکھ

کچھ دیر کھڑے ہو کے تماشائی کی صورت
بے فکر ادیبوں کا یہ تفریح کدا دیکھ

دروازے پہ صف باندھ کے بیٹھے ہیں بھکاری
اور ان سے ذرا ہٹ کے گروہِ شعرا دیکھ

وہ موسمِ سرما ہو کہ گرمی کا زمانہ
اک پَیر پہ دن رات یہاں ان کو کھڑا دیکھ

وہ دیکھ ، لئے ہے کوئی ہاتھوں میں رسالہ
ہیں بحث میں اُلجھے ہوئے دو اِک فضلا دیکھ

موضوعِ سخن کو نہ پرکھ ، اپنی نظر سے
ہونٹوں سے برستی ہوئی چیخوں کی گھٹا دیکھ

اس بھیڑ میں ہے ذات کی تنہائی کا شکوہ !
آنتوں کے بجا رات کا یہ رُخ بھی ذرا دیکھ
انداز میں، ہپی کے کھڑا ہے کوئی بانکا
کاندھوں سے اُلجھتی ہوئی زُلفوں کی جٹا دیکھ
دروازے کی جانب ہیں مگر سب کی نگاہیں
ہیں ان میں سبھی منتظرِ چشمِ عطا دیکھ
داخل ہوا جیسے ہی کوئی چائے کا مارا
ہر ایک بھکاری کا اٹھا دستِ دُعا دیکھ
ان سے تو نگاہیں وہ چُراتا ہوا گذرا
لیکن متحرّک ہوا غولِ شعرائے دیکھ
ہوں صید پہ جس طرح شکاری کی نگاہیں
اس شخص کو نرغے میں یونہی سب نے لیا دیکھ
پوچھی گئی خیریتِ احباب و اعزا
پھندے میں مروّت کے وہ بیچارہ پھنسا دیکھ
اس طرح اسے گھیر کے سب میز پہ بیٹھے
رستہ نہ نکل بھاگنے کا اس کو ملا دیکھ
وہ ایک مرکّب کہ لقب چائے ہے جس کا
ناچار سبھوں کے لئے منگوانا پڑا دیکھ

جب چائے کا بل دے کے نکل آیا وہ باہر
تب جا کے کہیں ان کے شکنجے سے چھٹا دیکھ
اتنے میں کوئی دوسرا گاہک نظر آیا
بانکوں کا جتھا اس کی طرف دوڑ گیا دیکھ
شاید کہ نیا شخص تھا حالات سے واقف
دہلیز سے ہوٹل کی وہ آگے نہ بڑھا دیکھ
ہر چند ہوئی سعیِ گرفتاری مگر وہ
شاید کہ سخن فہم تھا خود، پھنس نہ سکا دیکھ
بے چائے پیے اُلٹے قدم ہو گیا واپس
اب چہروں پہ مایوسی و حسرت کی گھٹا دیکھ
پھر ذات کی تنہائی کا ہونے لگا شکوہ
اک پیڑ پہ پھر ان کو کمیں گہ میں کھڑا دیکھ
اے شخص میں کہتا ہوں نکل بھاگ یہاں سے
اب تجھ پہ بھی اُٹھنے لگی چشمِ شعرا دیکھ
ہمراہ ترے دیر سے واہی بھی کھڑا ہے
کٹ جائے نہ اس کی بھی گرہ ایک ذرا دیکھ

جدید عملی تنقید

دو نوجوان صحن میں رحمانیہ کے کل — باہم دگر تھے بحث میں مصروف بے خلل
تھا ان میں ایک چوزہ قد و منحنی بدن — قامت میں دوسرا تھا شتر مرغ سے ڈبل
یہ بحث تھی کہ کون ہے ان میں جدید تر — دونوں میں کس کی ہوتی ہے تحریر مبتذل
دونوں میں کون کس سے زیادہ ہے بے تُکا — کہتا ہے کون کس سے زٹل کھُردری غزل
ان میں جو منحنی تھا وہ بولا بصد غرور — سُن لو کہ مَیں ہوں تم سے بڑا انٹلکچوئل
میری کہانیوں میں معموں کا رنگ ہے — مفلوج جن کے سامنے ہے فہم کا عمل

ترسیل نارسا کی سند میرے پاس ہے
مُجھ کو سراہتا ہے مجاہد میاں کا دل

یہ لن ترانیاں نہ ہوئیں دوسرے سے ہضم — ہونٹ اس کے کانپنے لگے آیا جبیں پہ بل
چیخا وہ آکے طیش میں، تیری بساط کیا — تو اور جدیدیت میں بنے میرا رائول
ڈنکا بجا ہوا ہے مرے فن کا ہر طرف — از سبزی باغ تا درِ اقبال ہوسٹل
لکھتا ہوں ایسے ایسے مکاتیب بے تُکے — کولہو کا بیل بھی مرا چیلا ہے آجکل
اصلاح دی کلام پہ خود تیرے بارہا — معنی سے لفظ لفظ سے معنی دیئے بدل
ان سب کے باوجود اکڑتا ہے مجھ سے تُو — کیا دفعتاً دماغ میں آیا ترے خلل

اب منحنی ادیب کو بھی آگیا جلال — کہنے لگا کہ ظرف سے اپنے نہ یوں اُبل
املا درست ہے نہ تلفظ ترا درست — تحریر ہو کلام ہو ہر چیز ہے زٹل
اصلاح دے گا خاک تُو میرے کلام پر — جو نقل کو نَقَل کہے اور اصل کو اَصَل
یہ بات دوسرے کو لگی سخت ناگوار — اور وہ چلا کے ہاتھ یہ بولا کہ لے سنبھل
پھر تو عوض زبان کے ہاتھوں کے بول سے — اس نے شروع کر دیا تنقید کا عمل

بعد اس کے دونوں گُتھ گئے اک دوسرے کے ساتھ
رحمانیہ کے صحن میں ہونے لگا ڈوئل

کمزور دیکھنے ہی میں تھا منحنی جواں — جھپٹا دراز قد پہ جو پہلو بدل بدل
یارا مدافعت کا نہ باقی رہا اسے — دو ٹھوکروں میں گر پڑا بیچارہ مُنھ کے بَل
چیتے کی طرح جست لگا کے حریف پر — ضایع کیے بغیر کوئی لمحہ کوئی پَل
پُشتِ دراز قد پہ وہ جھٹ ہو گیا سوار — اور اس کے سارے جسم کو کرنے لگا کھرل
پنجوں میں لے کے زلفِ دراز و کثیف کو — جھٹکے دیئے کہ سارے ہی کس بَل گئے نکل
اک بھیڑ جمع ہو گئی دونوں کے اِرد گِرد — پیدا ہوا نہ ان کے عمل میں کوئی خلل
دیکھا تمام لوگوں نے اک لُطفِ خاص سے — اظہارِ ذات کا وہ تماشائے بے بدل
جب دونوں تھک کے چُور ہوئے خود ہی ہٹ گئے — چہرہ کسی کا سُرخ تھا بازو کسی کا شل

اب ناظرین خود ہی کریں اس کا فیصلہ
ان میں تھا کون کس سے بڑا انٹلکچوئل

طوقِ زرّیں

ایک دن حضرتِ حافظ نے یہ دیکھا منظر
"طوقِ زرّیں" سے مزیّن ہے ہمہ "گردنِ خر"
اور چھکڑے میں جُتا رینگ رہا ہے تازی
زخم ہی زخم ہے کوڑے کا زسر تا بہ کمر
تھے جو مرحوم بڑے سادہ دل و نیک مزاج
"ایں چہ شور یست" کہا اور گرے چکرا کر
وہ تو اس غم کو لئے خُلدِ بریں میں پہنچے
کئی صدیوں کا زمانے نے لگایا چکّر
آج ہم پر بھی مگر جبر نظارہ ہے وہی
وہی نیرنگ تماشہ وہی نیرنگِ نظر
وہ چراگاہِ سیاست ہو کہ میدانِ ادب
طوقِ زرّیں ہے وہی اور وہی گردنِ خر

اختیارات کی کرسی پہ حضرانِ فربہ
متمکن نظر آتے ہیں بصد کرّ و فر
ایک کرسی پہ کسی طرح اُچک کر پہنچے
اور پھر دھڑ سے کھُلے کشف و کرامات کے در
پھر تو بقراط و ارسطوئے زمانہ ہیں وہ
علم و حکمت میں نہیں پھر کوئی ان کا ہمسر
پھر تو صحرائے جہالت بھی ہے دریائے علوم
پھر تو ہر بے ہُنری میں بھی ہیں سَو سَو جوہر
خواہ دو حرف بھی تعلیم نہ حاصل کی ہو
طوقِ زرّیں کے کرشمے سے بنے دانشور
کوئی جلسہ ہو وہ مہمانِ خصوصی ہوں گے
کوئی موقع ہو دھڑلّے سے وہ دیں گے لکچر
وہ زمیں کے ہوں مسائل کہ خلا کی باتیں
مثلِ مقراض زباں چلتی رہے گی فرفر
عالم و فاضل و دانش ورو اہلِ حکمت
سب نظر آئیں گے قدموں پہ جھکائے ہوئے سر
طوقِ زرّیں کا جو اس کو نہ کرشمہ کہئے
"ناطقہ سر بہ گریباں کہ اِسے کیا کہئے"

کھجور

(ایک بار جب مُلک میں قحط پڑا تو عراق نے بہ طور امداد مُفت تقسیم کرنے کے لئے کھجور کا تحفہ بھیجا تھا)

سُنتے تھے دوستوں سے کہ کنگال ہے عراق / عسرت زدہ، غریب و زبوں حال ہے عراق

یہ بھی سُنا کہ فضلِ خدائے کریم سے / اور بندگانِ حرص کے لُطفِ عمیم سے

جب واردات بھوک مری کی بڑھی یہاں / فاقوں سے اینٹھنے لگیں واہی کی انتڑیاں

پھیلی خبر اکال کی نزدیک و دور جب / انسانیت کے درد سے پھڑکی رگِ عرب

"کنگال دیش" جوشِ حمیت سے کانپ اُٹھا / فاقہ زدوں کے حال پہ غیرت سے کانپ اُٹھا

ہمسائیگی کا قرض چکانے کے واسطے / ہم کو گرسنگی سے بچانے کے واسطے

اپنی غذائے خاص کا تحفہ لئے ہوئے / آگے بڑھا خلوص کا ہدیہ لئے ہوئے

خود اپنا پیٹ کاٹ کے از راہِ دوستی / جو کچھ بھی اس کے پاس تھا بھیجا خوشی خوشی

یعنی بغیر دام لئے دس ہزار ٹن / اس نے ہمیں کھجور عنایت کی تحفتاً

پہنچی یہاں پہ جب کہ کھجوروں کی ٹوکری / واہی بھی لے کے دوڑ پڑا اپنی طشتری

خوش تھا کہ مُفت پائیگا کہ راشن میں "پن کھجور"
کچھ تو بجھے گا پیٹ کا جلتا ہوا تنور

تیزی سے دوڑتا ہوا دوکان میں گھُسا
اور طشتری بڑھا کے بہ عجلت یہ بول اُٹھا

للّٰلہ بانٹتے ہیں نہ تاخیر کیجئے
جلدی سے سیٹھ جی مرا حصّہ تو دیجئے

دوکاندار سُن کے یہ حضرت کی بولیاں
کہنے لگا کہ ہوش میں آجائیے میاں

ہو واقعی جو آپ کو حاجت کھجور کی
"منشی" کو پہلے دیجئے قیمت کھجور کی

اس پر ہے سیلز ٹیکس بھی دینا حضور کو
خیرات کا نہ مال سمجھئے کھجور کو

سُن کر یہ ساہوکار کی باتیں کھری کھری
ہاتھوں سے گر کے ٹوٹ گئی اسکی طشتری

کھل کر یہ بات کہہ دی عراقی کھجور نے
یہ مُلک تاجروں کا ہے، سمجھا حضور نے

ترقی

کون کہتا ہے ترقی کی سُنہری اسکیم
ایک انجن ہے کہ جس میں نہیں مطلق اسٹیم
کاغذی پھول ہے جس میں کشش ہے نہ شمیم

سُن کے افواہِ عبث دل کو نہ مارا کیجئے
تھوڑی تکلیفِ تماشہ تو گوارا کیجیے
آیئے ساتھ مرے چل کے نظارا کیجیے

دیکھئے کتنی ترقی پہ ہے قومی کردار
ہم ہوئے، آپ ہوئے، یار ہوئے یا اغیار
ہیں سبھی غمزۂ محبوب کرپشن کے شکار

پہنچے اس در پہ تو سب ہو گئے مجبورِ نیاز
"نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز"

کتنی معراجِ ترقی پہ ہے کالا بازار
رُخِ لیلائے گرانی پہ ہے کس درجہ نکھار
غلّہ نایاب ہے یوں جیسے خزاں وقتِ بہار

جس طرف دیکھئے قلت کی فراوانی ہے
قحط کی جلوہ گری، بھوک کی ارزانی ہے
کھیتیاں خشک ہیں، دریاؤں میں طغیانی ہے

ہے پلاننگ کا یہ زور کہ غلّہ تو ہے کم — تیز تر ہے مگر افزائشِ نسلِ آدم

اور یہ ملک ہے اب رو کشِ برِ اعظم

مفلسی عام ہے، ادبار کی رفتار ہے تیز — شل ہے بازوئے عمل، نشۂ گفتار ہے تیز

بات ارزاں ہے، بیانات کا بازار ہے تیز

اشہبِ خامہ رہا کرتا ہے ہر دم بیتاب — ہے یہ معمول کہ روزانہ ہر اک عالی جناب

اوسطاً چار بیانات کا رکھتے ہیں حساب

ہے سخن سازِ اکابر کی قیادت کو فروغ — شہر و بستی میں ہے لفظوں کی تجارت کو فروغ

کس قدر آج ہے تقریر کی صنعت کو فروغ

کھیتیاں ہوتی ہیں تخئیل کے میدانوں میں — فائلیں پھلتی ہیں دفتر کے خیابانوں میں

ڈھیر وعدوں کا ہے ان کاغذی کھلیانوں میں

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق

ہم اپنے اہلِ سیاست کے دل سے قائل ہیں
کہ حق میں قوم کے وہ ماورِ مسائل ہیں

قدم قدم پہ نئے گل کھلاتے رہتے ہیں
طرح طرح کے مسائل اُگاتے رہتے ہیں

کبھی یہ دُھن ہے کہ صوبوں کی پھر سے ہو تشکیل
کبھی یہ ضد ہے کہ حد بندیاں نہ ہوں تبدیل

کبھی یہ شور، کرو ختم چور بازاری
منافع خوروں کی لیکن نہ ہو گرفتاری

کبھی یہ غُل ہے کہ ہم بھی بنائیں ایٹم بم
اگرچہ بھُس ہو زیادہ یورینیم ہو کم

کبھی شمال کا اہلِ جنوب سے جھگڑا
کبھی جنوب نے اہلِ شمال کو رگڑا

نئے ذریعہ تعلیم پر کبھی اصرار
کبھی پرانا طریقہ بدلنے سے انکار

برائے بحث کھڑا ہے کبھی یہ ہنگامہ
لباس قوم کا دھوتی ہو یا کہ پاجامہ

ہر ایک بحث میں کچھ کُشت و خوں ضروری ہے
نہیں تو جو بھی ہے تحریک وہ ادھوری ہے

ہر ایک فتنہ و شورش کا آخری جلوہ
مظاہرات و جلوس و تصادم و بلوہ

یونہی اٹھائی گئی بحث جب زباں کیلئے
"سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کیلئے"

وہ مسئلہ کہ جو دانش کدوں میں حل ہوتا — بلا سے آج اگر طے نہ ہوتا کل ہوتا
اسے بھی اہلِ سیاست نے کر لیا اغوا — اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا
نفاق و بُغض و تعصب کے آ گئے ریلے — زباں کی آڑ میں اہلِ فساد کھُل کھیلے
مخالفت میں ہوئی جا بہ جا صف آرائی — جلوس لے کے چلے اک طرف سے بلوائی
لبوں پہ غلغلۂ انقلاب زندہ باد — مگر دلوں میں دبائے ہوئے شرارِ فساد
دکانیں لوٹی گئیں، راہ گیر مارے گئے — گھروں میں آگ لگی طفل و پیر مارے گئے
وہ پہلا شخص جو کھا کر چھُرے کا زخم گرا — مزے کی بات تو یہ ہے، غریب گونگا تھا

مزید یہ کہ اُسے جاں سے مارنے والے
کسی زبان سے واقف نہ تھے خود اَن پڑھ تھے

●

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں؟

مجھے بوجھو تو کیا ہوں میں، لگاؤ تو پتہ میرا — پہیلی ہوں مگر مشکل نہیں ہے بوجھنا میرا

میں اک مجلس کا ممبر ہوں، سوا ہے مرتبہ میرا — مری توقیر پر نازاں ہے خود بختِ رسا میرا

ہے چوکیدار سے لے کر منسٹر تک پہنچ میری — بڑی ہے دھاک میری اور بڑا ہے دبدبا میرا

مرے آقاؤں نے بھیجا ہے مجھ کو نامزد کر کے — عوامِ جہل ساماں سے نہیں ہے واسطا میرا

میں دو بیگھے کا مالک تھا الکشن سے ذرا پہلے — مگر دو سال میں چمکا ہے یوں بختِ رسا میرا

کہ اب اللہ رکھے ہیں پچاسوں کھیت قبضے میں — "اہنسا روڈ" پر بنگلہ بھی ہے اک پُر فضا میرا

کروسن تیل اور لوہے کا کاروبار کرتا ہوں — گزشتہ سال شیرے کا بھی کام اچھا چلا میرا

بظاہر میں اخوت اور اہنسا کا پجاری ہوں — بہ باطن ہے مگر فسطائیت سے سلسلہ میرا

سفارش، جعل سازی، پیروی اور چور بازاری — یہی میرے مشاغل ہیں، انہی سے فائدہ میرا

خود اپنا پیٹ بھرنا اور کنبہ پروری کرنا — یہی ہے زندگی میری، یہی ہے مدّعا میرا

سیاست نے سکھائے ہیں اصولِ آشنا کُشی — نہیں آئینِ خودداری سے مطلق واسطا میرا

میں ہر قانون کی باریکیوں پر غور کرتا ہوں
مگر آزاد ہے قانون کی زد سے گلا میرا

میں ہر وہ نیک و بد کرنے پہ ہو جاتا ہوں آمادہ
ذرا سا بھی نظر آتا ہے جس میں فائدہ میرا

مرے پیکر میں داخل ہے منافع خور کی طینت
سدا رہتا ہے پرمٹ افسروں سے سابقا میرا

وہ افسر جو مجھے پرمٹ دلاتا ہے بہ آسانی
اسی سے دوستی میری، اسی سے رابطا میرا

بڑوں پر طعنہ زن ہونا تو عادت ہے زمانے کی
بلا سے ہے اگر سب کی زبانوں پر گلہ میرا

(شاعر کی یہ سب سے پہلی طنزیہ نظم ہے جو دسمبر ۱۹۴۹ء میں کہی گئی اور جنوری ۱۹۵۰ء کے روزنامہ "ساتھی" پٹنہ کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی)

دیش بھگت

اک دیش بھگت، مجلسِ قانون ساز میں
الفاظ کو لپیٹ کے سوز و گداز میں

تقریر کر رہے تھے بڑی آن بان سے
جیسے کہ تیر چھوٹ رہے ہوں کمان سے

ارشاد تھا کہ، حیف! ابھی تک نصاب میں
انگلش ہے یوں کہ جیسے ہو ہڈی کباب میں

حالانکہ کب سے شور ہے ہندوستان میں
تعلیم خاص و عام ہو دیسی زبان میں

جب تک زبانِ غیر نہ ہو گی جلا وطن
ہرگز پنپ سکے گا نہ یہ آپ کا وطن

گو تلخ ہے یہ بات پہ کہتا ہوں صاف صاف
وہ ننگِ قوم ہے، جو کرے اس سے انحراف

اتنے میں ایک حزبِ مخالف کا منچلا
تقریر سنتے سنتے معاً اُٹھ کھڑا ہوا

بولا کہ، لاجواب ہیں باتیں جناب کی
"پاپوش میں لگا دی کرن آفتاب کی"

لیکن یہ پوچھنا ہے، اجازت ملے اگر
سنتا ہوں "کان ونٹ" میں ہیں آپ کے پسر

خالص بدیشی طرز کی تنظیم ہے جہاں
انگلش فقط، ذریعۂ تعلیم ہے جہاں

اس باب میں بھی نطق گہر بار کھولئے
گو بات خانگی ہے، مگر کچھ تو بولئے

چال

ایک الکشن کے نتیجہ کے بعد

اپنے اک دوست سے کل میں نے کیا جب یہ سوال
کیوں نہ اس بار الکشن میں گلی آپ کی دال
ہنس کے وہ کہنے لگے، آپ نرے شاعر ہیں
آپ کی فہم سے باہر ہے سیاست کی چال
ہاں یہ سچ ہے کہ وزارت نہ بنائی ہم نے
ہاں یہ سچ ہے کہ لیا سر پہ نہ اپنے جنجال
سُرخ رُو پھر بھی رہے اپنے مقاصد میں ہم
آج بھی اپنی قلمرو میں ہیں مستقبل و حال
آج بھی چہرۂ تہذیب پہ ہم سے ہے شکن
آج بھی سینۂ جمہور میں ہم سے ہے اُبال
جب تمدّن ہی لحد کھود رہا ہو اپنی
ہم کو سودا تو نہیں ہے کہ چلائیں گے کُدال

اپنا مقصد تو اسی شکل سے حاصل ہوگا
کہ یہاں اور بھی پیچیدہ ہو روٹی کا سوال
پیٹ کی آگ اسی طرح سے سلگے دن رات
چولھے ٹھنڈے رہیں سستا نہ ہو چاول وردال
ملک اور قوم میں گھٹتا رہے ایمان کا بھاؤ
شہر اور گاؤں میں بڑھتا رہے غلّے کا اکال
سیٹھ صاحب کے شبستاں میں میں جلیں گھی کے چراغ
اور ہو مفلس کا دیا تیل نہ ہونے سے نڈھال
پھولتی جائے بتدریج مہاجن کی توند
اور پچکتے رہیں مزدور کے بچوں کے گال
جب عزیزانِ وطن کی یہ حکومت اے دوست
پورا کرتی ہے مقاصد کو ہمارے ہر حال
کیا غرض ہم کو کہ ہم مُفت اٹھائیں زحمت
کیا غرض ہم کو کہ ہم ان کا کریں استیصال
انقلابات کی رفتار ذرا تھم جائے
ہم بنا لیتے اگر اپنی حکومت فی الحال
جب وہ خود ہی کئے دیتی ہے ہمارا ہر کام
اک حماقت ہے وزارت کو بدلنے کا خیال

الکشن اور برقعے

ایک خبر کے مطابق ایک ادبی انجمن کے صدر نے گزشتہ الکشن کے موقع پر ایک امیدوار کی حمایت میں بوگس ووٹ ڈلوانے کے لئے اس امیدوار سے پیسے لے کر سیکڑوں برقعے سلوائے تھے۔ یہ منصوبہ تو ناکام رہا، لیکن بہت سے برقعے ان کے ہاتھ لگ گئے ۔۔۔ (وآھی)

ہمارے شہر کا مشہور مارکٹ ہے جہاں
وہیں "فلاح ادب" نام کی تھی ایک دکاں

ادب کا حال مگر آپ کو بھی ہے معلوم
یہ مال وہ ہے، نہیں جس کا کوئی بھی پرساں

دکاں پہ نقد خرید و فروخت کیا ہوتی
اُدھار لیتے بھی دیکھا گیا نہ کوئی وہاں

دکان دار ہمیشہ رہے خسارے میں
یہ روزگار ہی ایسا ہے جس میں ہو نقصاں

مگر سنا کہ الکشن قریب جب آیا
مشیر کار بنے ان کے اک سیاستداں

نثار جایئے اس انقلاب موسم کے
بڑے میاں کی ہوئیں پھر تو مشکلیں آساں

ہم اتفاق سے اک روز اس طرف جو گئے
تو دیکھتے ہیں کہ منظر اب اور ہی ہے وہاں

وہی دکاں ہے، وہی ہیں بڑے میاں لیکن
نظر نہ آیا "فلاحِ ادب" کا نام و نشاں

جلی حروف میں اک بورڈ پر یہ کندہ تھا
"حسین برقعے وارزاں نقاب کی دکاں"

سجا ہوا تھا سلیقے سے اک نیا شوکیس
کئی نمونے تھے برقعوں کے جس میں آویزاں

ہر اک نقاب کی قیمت تھی صرف چھ روپے
اب اس سے بڑھ کے بھی ہوگا یہ مال کیا ارزاں

اس انتہائے گرانی میں اتنی ارزانی
ہمیں تو خواب میں بھی تھا کبھی نہ اس کا گماں

کفن بھی اس قدر ارزاں کہیں نہیں ملتا
سوائے موت کے اب تو ہر ایک شئے ہے گراں

کھڑا تھا گھیر کے دوکاں کو گاہکوں کا ہجوم
نہیں تھی کوئی بھی تخصیص مرداں و زناں

کسی طرح بھی لگیں ہاتھ ایک دو برقعے
یہی تھا ہر کس و ناکس بہ جان و دل خواہاں

کسی کو فکر کہ ہیں گھر میں بچیاں موجود
جٹائے رکھنا ہے ان کے جہیز کا ساماں

نئے خیال کے کچھ نوجوان بے فکرے
تھا مدتوں سے جنھیں "ٹیڈی سوٹ" کا ارماں

پرانی وضع کے کچھ لوگ مفلسی کے شکار
لباس جن کے تھے اک اشتہار بخیہ گراں

کئی وکیل جنھیں گون کی ضرورت تھی
بہت ہی صبر سے کیو میں کھڑے ہوئے تھے وہاں

سبھوں کی تھی یہی نیت خرید کر برقعے
گھٹا بڑھا کے ادھر جیب اس طرف داماں

بنا کے حسب ضرورت پہننے کے قابل
کریں گے مشکلیں اپنے لباس کی آساں

اسی ہجوم میں کچھ زندہ دل تماشائی
طرح طرح کے لطیفے بھی کر رہے تھے بیاں

کسی کو شک تھا کہ چوری کا مال ہے ورنہ
کہاں سے آئے گی یہ جنس اس قدر ارزاں

قیاس تھا یہ کسی کا، عرب ممالک نے
ریلیف کے لئے شاید دیا ہو یہ ساماں

کھڑا ہوا تھا وہیں گھر کا ایک بھیدی بھی
کئے کچھ اور ہی احوال اس نے ہم سے بیاں

کہا کہ اب کے الیکشن کی رزم آرائی
بڑے میاں کے مقدر کو کر گئی تاباں

جناب نے کسی امیدوار کو پھانسا — جو ممبری کے لئے تھا بہ جان و دل کوشاں
دکھا کے چرب زبانی، کہا کہ بوگس ووٹ — دلائے جائیں تو ہو سارا مرحلہ آساں
امیدوار سے پھر اینٹھ کر کثیر رقم — بٹھا کے اپنے یہاں اک گروہِ خیاطاں
کرائے آپ نے تیار سیکڑوں برقعے — اب انتظار تھا اس کا کہ ماریں میداں
مگر یہ راز کسی طرح کھل گیا آخر — کہ سیلِ وقت تھا اک دوسری ہی سمت رواں
امیدوار بے چارہ بری طرح سے پٹا — پلان سارا پڑا رہ گیا جہاں کا تہاں
بڑے میاں کو مگر ہاتھ لگ گئے برقعے — کسی کی ہار میں تھی جیت آپ کی پنہاں

اسی کے بعد "فلاحِ ادب" کا چھوڑ کے کام
لگائی آپ نے سستے نقاب کی دوکاں

●

الزام

قبیلۂ شعراء کو ہے یہ شکایتِ عام
مشاعرے میں جو آتے ہیں سامعین کرام

بجائے اس کے کہ دیں بر محل سخن کی داد
بجائے اس کے کہ سنتے رہیں بغور کلام

کبھی تو ہیں بزِ اخفش کی طرح چُپ بیٹھے
کبھی تلے ہوئے دینے کو دادِ بے ہنگام

کبھی تمسخر و تضحیک کی چلا کے غلیل
ہیں کرتے درہم و برہم مشاعرے کا نظام

مرا مشاہدہ اس باب میں کچھ اور بھی ہے
نہیں ہے جس میں ذرا بھی مبالغے کا قوام

مشاعرے میں وہ اک سطح مرتفع کہ جہاں
قریب صدر فروکش ہیں شاعران عظام

وہ خاص صف کہ جہاں کی فضا ادب آموز
وہ خاص صف کہ جو ہے مرکزِ نگاہِ عوام

سماں وہاں کا کلب گھر سے کم نہیں ہوتا
سخن وروں کے لئے ہے وہ خوش گپی کا مقام

پرانے دوست ملے ہیں جو بعد مدت کے
تو ہو رہا ہے بہ اخلاص دل سلام و کلام

کسی کے لب پہ یہ شکوہ کہ بھیڑ تھی جو بہت
تو رات بھر نہ وہ گاڑی میں کر سکا آرام

لتا کی دھن میں کوئی گنگنا رہا ہے غزل
کہ خوش گلوئی میں ہے آج کل اسی کا نام

غنودگی کسے ہے عالم میں کوئی سر بہ سجود — کوئی ہے گھات میں، حاصل کرے شراب کا جام

جگالیاں کوئی کرتا ہے پان کھا کھا کے — کوئی چبانے میں مصروف چینیا بادام

بنا رہا ہے فضا میں دھویں کا مرغولہ — سگار پی کے کوئی شاعر خجستہ کام

کسی کو حفظ مراتب کی فکر لاحق ہے — پکارا جائے فلاں سے نہ پہلے میرا نام

ہر اک کے دل میں یہ خواہش کہ سب سنیں اسکو — مگر وہ دوسرے شاعر کا خود سنے نہ کلام

کھڑا ہو کوئی بھی مائک پہ رنگ ہے یکساں — فراقؔ شعر سنائیں کہ حرمت الاکرام

نظر ملی تو ذرا مسکرا کے دیکھ لیا — پھر اس کے بعد نہ شاعر ہے ذہن میں نہ کلام

ادب کے محتسبوں کو یہ غور کرنا ہے
کہ سامعین کہاں تک ہیں مورد الزام

مولوی اور کامریڈ

کہنے کو جو دماغ ترقی پسند ہے
کھڑکی اسی دماغ کی واللہ بند ہے
زندانِ دل کا ایک بھی دروازہ وا نہیں
کنڈی چڑھی ہے کوئی دریچہ کھلا نہیں
اللہ رے احتیاط کہ پردے بھی ہیں کھنچے
مسموم ہے ہوا کوئی جھونکا نہ آ گھسے

ڈر ہے کہیں دریچہ کوئی باز ہو نہ جائے
نازک مزاجِ فکر ہے ناساز ہو نہ جائے

بدنام ہو رہا ہے عبث مولوی غریب
کچھ کم نہیں ہے اس سے ترقی پسند ادیب
الزام اس پہ ہے کہ وہ مینڈک ہے چاہ کا
ذہن اس کا قید خانہ ہے فکر و نگاہ کا
میں پوچھتا ہوں تم سے مگر با صد احترام
اے میرے شاعرانِ وادیانِ تیز گام
کیا تم بھی مولوی کی طرح باؤلے نہیں
شہتیر اپنی آنکھ کا کیوں دیکھتے نہیں
تم کیوں چڑھو جو تم کو بُرا مولوی کہے
کافر کہے، لعین کہے، دوزخی کہے
کیوں تم کو اس کا جذبۂ دینی ہو ناگوار
تم بھی تو اے مجددِ آئینِ روزگار

فتوائے کفر دیتے ہو ہر شام ہر صباح — یہ بات اور ہے کہ بدل دی ہے اصطلاح

اس کی طرح تمہارے بھی منہ میں نہیں لگام — کافر کا تم نے "بورژوا" رکھ لیا ہے نام

تم بھی گروہ بندو جماعت پرست ہو — فرقہ پرست اور روایت پرست ہو

بگڑی اسی کی طرح تمہاری بھی ہے مشین — اس کا بھی ایک دین تمہارا بھی ایک دین

مسجد میں اس کو دیکھ کے کیوں غیظ تیز ہو — تم بھی تو "موسکو" کی طرف سجدہ ریز ہو

دین اس کا مسخ کر دیا شیراز و طوس نے
اُلّو بنا کے چھوڑ دیا تم کو روس نے

بارود اور خون کی جس میں کہ بو نہیں — وہ شاعری موافقِ طبعِ نکو نہیں

جو قافیوں سے کام لے رجعت پسند ہے — بندش کا جو بھی نام لے رجعت پسند ہے

واللہ گفتگو بھی جلالی ہے آپ کی — رجعت پسند دوسری گالی ہے آپ کی

جو آپ کے خلاف ہے رجعت پسند ہے — پتلون جس کی صاف ہے رجعت پسند ہے

کیونکر نہ ہو کہ قاضیِ آفاق آپ ہیں — مخدومِ وقت و مصلحِ اخلاق آپ ہیں

واللہ شمعِ دانشِ حاضر کی لَو ہیں آپ
واہی نثار بانیِ تہذیبِ نَو ہیں آپ

رسائل میں چھپنے کی ترکیب

وہ ادیب و شاعر و نقاد و افسانہ نگار
جن کے "رشحاتِ قلم" ہوں کس مپرسی کا شکار

دیکھتے ہی جن کے "شہ پاروں" کو دن کی ڈاک میں
تیوریاں اپنی چڑھاتے ہوں مدیرانِ کبار

"دستِ ناقدری" میں پڑ کر چاک ہو جانے کے بعد
"ڈسٹ بن" کی نذر ہو جاتے ہوں جن کے شاہکار

ان کو اک آسان سی ترکیب بتلاتا ہوں میں
تاکہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، سانپ بھی کھا جائے مار

"پالسن" کا ایک ٹن بازار سے لے آئیں آپ
اور اسے مالش کریں اپنے قلم پر بار بار

ہاتھ کی ورزش بھی ہو جائے، قلم بھی صاف ہو
یہ عمل جاری رہے کچھ روز تک لیل و نہار

پھر مدیر محترم کے نام اک عرضی لکھیں
جس میں ہو آداب اور القاب کی لمبی قطار

خادمانہ انکساری، عاجزی، بیچارگی
خط کے ہر جملے سے، ہر ہر لفظ سے ہو آشکار

ان کے بچوں کی بھی پوچھی جائے خیر و عافیت
لکھیں بیٹے کو دعائے خیر اور بیٹی کو پیار

مختصر یہ، اک قصیدہ نثر میں لکھنے کے بعد
رام کر لیں پہلے ان کے دل کو باصد انکسار

بعد اس تشبیب کے ہو حرفِ مطلب پر گریز
ہو رقم — ہے طالبِ چشمِ عنایت خاکسار

منسلک ہے ایک مضموں بھی اشاعت کیلئے
گر قبول افتد زہے عز و شرف عالی تبار

پھر تو قلب ماہیت کا ہو تماشا دیدنی
پھر تو ہو جائے شکاری آپ ہی اپنا شکار

پھر تو چٹکی میں بدل جائے مدیرانہ اکڑ
پھر تو قسمت آپ کی اک آن میں ہو سازگار

سب سے پہلے آپ کا مضموں رسالے میں چھپے
"حرفِ اول" میں ہو اس پر نوٹ بھی اک شاندار

اور ترکیبیں بھی اس آہن کے پگھلانے کی ہیں
"نسخۂ اول" سے جو کمتر نہیں ہیں زینہار

گر کبھی پہنچیں مدیر محترم کے شہر میں
حاضری دیں آپ ان کے گھر پہ جا کر بار بار

شام کو ہر روز ہوٹل میں انھیں مدعو کریں
خواہ اس سے کیوں نہ ہو جائیں کسی کے قرضدار

ان کی نفسیات پر اس طرح چھاپہ مار کر
رفتہ رفتہ آپ ہوں اعصاب پر انکے سوار

شہر میں اپنے رسالے کی ایجنسی کھول کر
آپ ایڈیٹر کی نظر میں کرلیں پیدا اعتبار

چند اک احباب سے سالانہ قیمت گانٹھ لیں
تھوڑی کوشش کر کے حاصل کر لیں دو اک اشتہار

ساتھ چندے کی رقم کے ایک دو مضمون بھی
بھیجتے جائیں مدیر محترم کو ماہوار

اپنے پرچے کی بقا منظور گر ہو گی انھیں
آپ کا مضمون چھاپیں گے ہی وہ زار و نزار

کارگر بالفرض یہ نسخے نہ ہوں تو میرے پاس
آئیں تازہ مشورہ کے واسطے امیدوار

رسائل مُفت حاصِل کرنے کی ترکیب

السّلام اے بندہ پرور، اے مدیرِ محترم
السّلام اے دیدہ ور، بالغ نظر، زرّیں رقم

کل نظر آیا رسالہ آپ کا فُٹ پاتھ پر
اللہ اللہ کتنا دیدہ زیب، کتنا محتشم

ماہنامے، روزنامے اور بھی تھے گرد و پیش
صبحِ نو، ساقی، صدائے عام، اشارہ اور صنم

آپ کے پرچے کی لیکن شان ہی کچھ اور تھی
یہ تھا فلمی گر انھیں تشبیہ دیں "بجو" سے ہم

وہ اگر بالفرض کُترا ہیں تو یہ ہے شاہین
وہ اگر مٹی کا چکرہ ہیں تو یہ ہے جامِ جم

صفحہ اوّل سے لے کر تا حروفِ آخری
آپ نے واللہ رکھا خوش مذاقی کا بھرم

ٹائٹل پر مِس کماری جانگھیا پہنے ہوئے
لے رہی ہے اک ادائے خاص سے سگریٹ کے دم

"حرفِ اوّل" کی عبارت میں ہیں وہ رنگینیاں
جس کے آگے دم بخود ہو جائے مانی کا قلم

حل ہوئی ہیں اس صفائی سے ادب کی گتھیاں
جس طرح مالی کے چاقو سے کٹے کیلے کا تھم

نظم کے صفحات ہوں یا نثر کے ابواب ہوں
سب کے سب ہیں پُروقار و پُرشکوہ و محتشم

سرخیاں ہوں، تبصرے ہوں یا تعارف کے ہوں نوٹ
آپ کا حسنِ ادارت ہر جگہ ہے مرتسم

مختصر یہ ہے کہ اک اک حرف، اک اک لفظ کی
جس قدر تعریف کی جائے وہ ہے واللہ کم

ہاں تکلف برطرف اک عرض میری سن لیں آپ
اک ذرا مڑ جائے میری سمت بھی چشمِ کرم

ماہنامہ آپ کا ہو جائے جاری میرے نام
آپ کا ممنوں رہوں گا جب تلک باقی ہے دم

دوستوں میں رات دن گاگا کے اس پرچے کے گُن
جیب سے اُن کی میں بھجواؤں گا چندے کی رقم

بس اسی مضمون کی دس بیس نقلیں کر کے آپ
بھیجتے جائیں مدیروں کو زکاشی تا حرم

صَرف ہوگا آپ کا کچھ وقت اس میں تو ضرور
خرچ تو ہوگی ٹکٹ پر جیب سے تھوڑی رقم

لیکن اس لاگت پہ ہوگا جو منافع آپ کو
اس تناسب سے پڑے گا خرچ کوڑی سے بھی کم

جتنے نوزائیدہ پرچے ہیں ادب کی گود میں
آپ کے دامن سے لپٹیں گے ہمک کر ایکدم

بے تامل بھیجتا جائے گا پابندی کے ساتھ
ہر شمارہ آپ کو، ہر اک مدیرِ محترم

ایڈیٹر کا دردِ سر

آیئے ان سے ملائیں آپ کو بندہ نواز — شخصیت ان کی رہے کیوں آپ کی نظروں میں راز
آپ سے اس طرح ڈرتا ہے مدیرِ ذی وقار — جس طرح اک کابلی سے خوف کھائے قرضدار
چشمِ بد دور آپ شاعر بھی ہیں اور نقاد بھی — بابۂ الفاظِ دگر، بسمل بھی ہیں، جلاد بھی
آپ کے ہاتھوں میں بس دن رات رہتا ہے قلم — "رطب و یابس" کے چڑھے دریا میں بہتا ہے قلم
کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہیئے، بس اسی کا ہے جنوں — چاہے اس میں حرفِ مطلب کا نہ کیوں ہوتا ہو خوں
پھر یہ سودا ہے کہ ہر مضمون پہ چھپنا چاہیئے — مال چاہے جس قدر گھٹیا ہو کھپنا چاہیئے
اس غرض سے آپ رہتے ہیں ہمیشہ تاک میں — تو کسی پرچے کی آ جائے کہیں سے ناک میں
اور پھر اس کے ایڈیٹر کے گلے پڑ جائیں آپ — دو ہی دن میں تنگ آ کر چیخ اٹھے جو ہائے باپ
کر کے جاری نت نئی فرمائشوں کا سلسلہ — بند کر دیتے ہیں بیچارے کا اک دم ناطقہ
بھیجتے ہیں اک نہ اک خط آپ روزانہ اسے — کوئی موسم ہو بنا دیتے ہیں دیوانہ اسے

اک تو خود مارا ہوا رہتا ہے وہ حالات کا
اس پہ یہ فرمائشوں کا سلسلہ دن رات کا

آپ لکھتے ہیں عموماً خط، کچھ اس مضمون کا
محترم! پرچہ نظر سے میری گزرا جون کا

بھیجتا ہوں چند شعر اگلے شمارے کیلئے
ہے توقع داد کی اس نظم پارے کیلئے

کوئی مصرع ہو اگر کمزور تو بندہ نواز
آپ خود اصلاح دینے سے نہ کیجے احتراز

ہاں تکلف برطرف، اک بات سنئے غور سے
نظم چھپ جائے تو پرچہ مفت جاری کیجیے

الغرض اک کشمکش میں خود کو پاتا ہے مدیر
تلخ ہو جاتے ہیں بیچارے کے احساس و ضمیر

لغو چیزیں چھاپ کر، اپنے کو وہ رسوا کرے
یا عداوت عمر بھر کی آپ سے پیدا کرے

اس نے گر یہ لکھ دیا۔ مضمون چھپ سکتا نہیں
سخت مجبوری ہے، پرچے میں وہ کھپ سکتا نہیں

پھر تو اک ایسی قیامت آپ کرتے ہیں بپا
خوب چکھ لیتا ہے بیچارہ ادارت کا مزا

اپنے چیلے پر اسے فوراً چڑھا لیتے ہیں آپ
مدتوں رہ جائے یاد ایسا سبق دیتے ہیں آپ

چھیڑ کر اک سرد جنگ اسکے رسالے کے خلاف
ٹھونک کر خم آپ ہو جاتے ہیں سرگرم مصاف

لکھ کے خط وی۔پی منگایا، اور واپس کر دیا
یا کبھی ایجنٹ کے کانوں کو جا کر بھر دیا

بیٹھ کر ٹی کورز میں، یا دکاں پر چاٹ کی
آپ نے ترغیب دی پرچے کے بائیکاٹ کی

تھے جو کل تک آپکے دل میں "مدیر محترم"
آج گھٹ کر ہو گئے وہ اک انگوٹھے سے بھی کم

الغرض یوں دیکھنے میں ہیں تو بالکل بے ضرر
آپ ہیں لیکن مدیروں کے لئے اک دردِ سر

کارپوریشن میں مشاعرہ

مصرعِ طرح:- ہے جوانی پہ گندگی کی بہار

نابدان کا کیڑا

اے خوشا میرا طالع بیدار
زندگی دم بہ دم ہے باغ و بہار
نابدانوں کی زیب ہے مجھ سے
میرے دَم سے ہیں نالیاں گلزار
میرے رازق ہیں اسپشل افسر
اور چیئرمین میرے پالنہار
ان بزرگوں کی مہربانی سے
شہر میں ہم ہیں زینتِ بازار

کُوڑا

ہاں ذرا دیکھے کوئی میری بہار
ہیں تمدن کے سر پہ ہوں دستار
شاہراہوں کا تذکرہ کیا ہے
گھر وزیروں کا مجھ سے ہے گلزار
ہر طرف میرے لشکروں کا ہجوم
ہر جگہ میری ڈھیریوں کی قطار
ان قطاروں کا سلسلہ پیہم
بن گیا شہر کے گلے کا ہار

تعفّن

مجھ سے معمور کوچہ و بازار | میری موجِ نفس دیار دیار
میری ممنون ہے ہوائے چمن | میری مقروض ہے نسیم بہار
منفعل مجھ سے کاکلِ مشکیں | دم بہ خود مجھ سے طبلۂ عطّار
مات کھاتا ہے مجھ سے مشکِ ختن | دُم دباتا ہے عنبرِ تاتار

مچھّر

ڈنک میرا ہے تیغِ جوہر دار | جس سے بچتا نہیں کوئی زنہار
ہیں مسہری میں لوگ یوں بے چین | جیسے مُردوں پہ قبر میں ہو فشار
نیند کی فوج بھاگ جاتی ہے | سنتے ہی میری قوم کی للکار
مارتا ہوں میں رات بھر شب خوں | مجھ سے کھاتا ہے خوف ہر جاں دار
خون پیتا ہوں جھوم جھوم کے یوں | جیسے بدمست ہو کوئی مے خوار

بیماریاں

اے خوشا میرا لشکرِ جرّار | پیچش و ہیضہ و پلیگ و بخار
ڈاکٹر صاحبان کے دم سے | تیز ہے اپنی گرمیٔ بازار
خیر سے ہم بناتِ عزرائیل | وہ ہمارے برادرانِ کبار

ہم نے صحت کو اس طرح لوٹا
ہو چمن پر خزاں کا جیسے وار

شہر میں جس طرف اُٹھاؤ نظر
سیکڑے میں نناوے بیمار

جسم کیا چیز ہے، ہماری قوم
اب تو روحوں کا کر رہی ہے شکار

کیوں نہ اعضائے ملک ہوں مفلوج
عقل تک لیڈروں کی ہے بیمار

نبضِ تہذیب ڈوبی جاتی ہے
کہ سیاست کا چڑھ رہا ہے بخار

الغرض ہر طرف ہماری دھوم
الغرض ہر طرف ہماری پکار

ہے مگر کون جس کی طاقت نے
یوں بنایا ہے ہم کو خود مختار

وہ ہمارے ہیں اسپشل افسر
جن پہ ہے اپنی زندگی کا مدار

وہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

●

کرپشاں

(پہلے شہر پٹنہ میں میونسپلٹی تھی۔ کچھ روز قبل ایک کارپوریشن بنا۔ شہریوں کو امید تھی
کہ اب شہر میں صفائی کا انتظام معقول ہوگا۔ لیکن حالت اور بدتر ہوگئی)

کیا کہوں آپ سے احوالِ "میونسپل بیگم"
بال اُجلے ہوئے یعنی ہوئی تقدیر سیاہ

پھر گئی ان سے ہمیشہ کے لئے وائے نصیب
"بوڑھے پٹنہ" کی گنہگار و ہوسناک نگاہ

منچلے دل میں نئے شوق نے کروٹ بدلی
حرص بولی کہ ہو پھر اک بُتِ کمسن سے بیاہ

تھی یہی فکر کہ بازار میں کلکتے کے
پڑ گئی آپ کی "مس کورپوریشن" پہ نگاہ

اس نگاہِ غلط انداز نے مارا ایسا
لے کے آ ہی گئے آخر اسے اپنے ہمراہ

شہر میں دھوم تھی معشوقۂ طنّاز آئی
گرمِ بازارِ نظر ہوگا اب انشا اللہ

بھنگیوں کو تھی خوشی شاد تھے مہتر سارے
بھنگنیں جھوم کے گاتی تھیں "تجلی" برسرِ راہ

نکلے توصیف میں اس مس کے پریس نوٹ بھی خوب
ہوئے تعریف میں اخبار کے کالم بھی سیاہ

ریڈیو والوں نے بھی خوب منایا دن رات
اپنے چوپال میں "مس کورپوریشن" سپتاہ

الغرض آئی بڑی دھوم، بڑی شان سے وہ
لیکن افسوس کہ تھی شہر کی قسمت ہی سیاہ

اس طرح عشق میں اس کے ہوا پٹنہ برباد
جیسے آغوشِ جوانی میں بڑھاپا ہو تباہ

اس کے گیسوئے پریشاں نے وہ جھاڑو پھیری
سارا بازار صفا چٹ ہوا اِنّا لِلّٰہ

ہر طرف خنجرِ ابرو نے کیا یوں ستھراؤ
بھاگی زن چھوڑ کے گلیوں سے تمدن کی سپاہ

یہ اسی شوخ کے ہیں چاہِ زنخداں کے فیوض
نالیوں میں جو غلاظت کی نہیں ملتی تھاہ

گرد بن کے اُڑی رونقِ شہرِ پٹنہ
اس کے دامن کی ہوا میں یہ اثر تھا واللہ

یہ جو سڑکوں پہ اڑا کرتا ہے دن رات غبار
ہو نہ ہو ٹھیس کی ماری ہوئی جنتا کی ہے آہ

جس طرف دیکھئے بازار میں کوڑے کا ہے ڈھیر
ہر گلی شہر کی، ہے تکیہ گہِ "کوڑا شاہ"

دیدۂ عاشقِ مہجور ہیں پانی کی کلیں
سینۂ شہر کا ناسور بنا ہے ہر چاہ

الغرض دور نہیں منزلِ تمّت بالخیر
شوقِ تکمیل غلط، جب ہو غلط بسم اللہ

یُو۔ این۔ او

کسی جگہ تھا گرا اک پنیر کا ٹکڑا
اور اس کے واسطے دو بلّیوں میں تھا جھگڑا

یہی تھی دونوں کی خواہش کہ بس کسی صورت
پنیر ہاتھ لگے اور پیٹ ہو ٹھنڈا

اِدھر جھپٹ کے بڑھی یہ۔ اُدھر وہ غرّائی
جو اس نے دانت گڑائے، تو اُس نے مُنھ نوچا

کبھی دبوچ لیا اس نے اُس کی گردن کو
کبھی یہ جوش میں آئی تو اُسکو دے پٹخا

غرض کہ ہوتی رہیں یوں ہی کُشتیاں باہم
کسی کے ہاتھ نہ آیا پنیر کا ٹکڑا

کہ دفعتاً ہوئے وارد وہاں میاں بندر
یہ رنگ دیکھ کے جھٹ آپ نے یہ فرمایا

عزیز بہنو، یہ آپس کی جنگ ہے بیکار
ملی ہے چیز تو بہتر ہے بانٹ کر کھانا

یہ کیا غضب ہے، شریفوں کا یہ نہیں دستور
ذرا سی بات پہ کرتے نہیں ہیں یوں جھگڑا

مَیں حق پسند ہوں، انصاف میرا شیوہ ہے
جو ہو تمھاری اجازت تو کر دوں بٹوارا

کچھ اس حساب سے حصہ لگائے دیتا ہوں
کہ دونوں بہنوں کو باقی رہے نہ کچھ شکوا

کہی یہ بات جو سنجیدگی سے حضرت نے
تو بلّیوں نے یہ سمجھا کہ ہے اسی میں بھلا

کہا انھوں نے کہ دونوں کے ہیں بزرگ حضور
پنیر حاضرِ خدمت ہے، کیجیے حصّہ

ترازو جا کے اٹھا لائے پھر میاں بندر
اور اس پنیر کے ٹکڑے کو توڑ کر تولا

اب اتفاق کہو اس کو یا سیاستِ خاص
کہ ایک سمت ترازو کا جھک گیا پلّہ

جو تھا خیالِ توازن تو آپ نے جھٹ سے
پنیر، پلّہ وزنی سے نوچ کر کھایا

رہا یہ سلسلۂ عدل دیر تک جاری
کبھی یہ پلّہ جھکا اور کبھی وہ پلّہ جھکا

تھا بسکہ سعیِ توازن میں پنجۂ تقسیم
کچھ اِس میں سے کبھی نوچا کچھ اُس میں سے نوچا

غرض ترازوئے انصاف ہو گئی خالی
پنیر ختم ہوئی، ختم ہو گیا جھگڑا

فسانہ عدل کا واہی سے سُن لیا تم نے
اب اسکے بعد نہ پوچھو کہ "یو این او" ہے کیا؟

نقادچی

ابنِ آدم میں ہے جیسے تیسری اک جنس بھی
ناقدانِ فن کی صف میں ہے یونہی نقادچی

عالمِ تنقید کی وہ اک نئی مخلوق ہے
آدمی کا ہیکو ہے، ٹوٹی ہوئی بندوق ہے

جب کبھی تنقید کی ترچھی نظر ڈالے گا وہ
کاتبوں کی سہو کو شاعر کے سر ڈالے گا وہ

اور پھر لکھے گا اک مضمون سینہ تان کر
خود کو افلاطون اور دُنیا کو جاہل جان کر

ذہن کو رغبت سی ہے الفاظ کے جنجال سے
شعرِ بے معنیٰ اگر منسوب ہو اقبال سے

اخذِ مطلب کیلئے وہ بال کی کھینچے گا کھال
کاوشِ ذہنی سے اسکی ابلہی ہو گی نہال

اور اگر اپنا کہیں، اقبال کے شعروں کو ہم
ان کو بے معنیٰ سمجھ کر رد کرے گا یک قلم

گر کسی ہمعصر شاعر کا ادب میں نام ہے
اس کو ڈسنا نیشِ عقرب بنکے اس کا کام ہے

اس کا ذوقِ عیب پرور اس کا ذہنِ ہرزہ کار
باغ میں چُنتا ہے جا کر خارہائے نوکدار

الغرض مت پوچھئے اس کے تصوّر کی اُمنگ
جب بھی آ جائے گی طبیعت میں حماقت کی ترنگ

تو جہالت کا کمالِ خاص دکھلائے گا وہ — سنگِ رہ کو عرش کے تاروں سے ٹکرائیگا وہ
بھائی بندوں کی ثنا خوانی میں توڑے گا قلم — کوزۂ خاکی کو بھی ثابت کرے گا جامِ جم
سالکانِ فن سے وہ رکھّے گا بُغضِ للّٰہی ! — ڈالڈا سمجھے گا گھی کو، دودھ کو کھٹّا دہی
چاند سورج کو توا کہہ دے گا اس کا اعتبار — کہکشاں کی مانگ کو سمجھے گا کیڑوں کی قطار
عیب جُو نظروں کو اچھائی نظر آتی نہیں — لفظ اور معنی میں یکجائی نظر آتی نہیں
الغرض دن رات رہتی ہے معائب کی تلاش — عیب جُوئی زندگی ہے، عیب جُوئی ہے معاش

تاکہ ان عیبوں کو لے کر مشتہر کرتا پھرے
اپنی شامِ کس مپرسی کی سحر کرتا پھرے

●

چمرچٹ

احباب سُنیں حضرتِ واہی کی زبانی
اک شہر کے مشہور چمرچٹ کی کہانی

تھے ایک خدا بخش میاں عرف بفاتی
گو شہر میں رہتے تھے مگر تھے وہ دہاتی
صحبت جو ملی شہر میں کچھ اہلِ سخن کی
حضرت کی طبیعت بھی بڑے زور سے سَنکی
پھر کیا تھا سرِ بزمِ سخن آ گئی آفت
بننے لگی دن رات تخیّل کی حجامت
ہر وضع کے ہر رنگ کے ڈھلنے لگے اشعار
صف باندھ کے کاغذ پہ ٹہلنے لگے اشعار
گو صرف خرافات بکا کرتے تھے حضرت
دو ایک غزل روز لکھا کرتے تھے حضرت
معمول تھا احباب کے گھر شام کو جاتے
اور تازہ کلام آپ انھیں گا کے سُناتے
از راہِ مذاق ان سے کہا کرتے تھے احباب
اب آپ سا اُستاد زمانے میں ہے نایاب
اس طنز کو تعریف سمجھتے تھے بفاتی
تضحیک کو توصیف سمجھتے تھے بفاتی

احباب کے اس کھیل کا نکلا یہ نتیجہ ٹک بند کو فی الواقعی ہونے لگا دھوکا

اپنے کو سمجھنے لگے اُستاد بفاقی !

اور سب سے اُلجھنے لگے اُستاد بفاقی

کہتے ہیں کہ اک روز کسی شخص کے گھر پر مدعو تھے مشاہیر، سخن سنج و سخن ور

بیچارے خدا بخش کو پوچھا نہ کسی نے ڈیوڑھی پہ بھی پہنچے تو بلایا نہ کسی نے

اس بات پہ صدمہ ہوا اُستاد کو اتنا شیریں کے نہ ملنے کا تھا فرہاد کو جتنا

پہلے تو بکی آپ نے جی کھول کے گالی دیتے رہے شہ خوب احالی و موالی

جب اس سے نتیجہ نہ ہوا کوئی برآمد کرنے لگے پھر صاحبِ خانہ کی خوشامد

رو رو کے یہ کہتے تھے کہ اے صاحبِ عزت ہم بھی تو کہا کرتے ہیں اشعار غنیمت

"گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو اِدھر بھی"

یعنی کبھی بلوائیں ہمیں بھی تو مکاں پر اتنا تو کرم آپ کریں بیچدان پر

میرا بھی کلام آپ کو سُننا ہی پڑے گا

ورنہ مرا لاشہ اسی ڈیوڑھی پہ گڑے گا

القصہ بفاقی نے کچھ ایسا کیا عاجز حد درجہ دلِ صاحبِ خانہ ہوا عاجز

سُن سُن کے شب و روز چیخ چیخ کی دہائی ترکیبِ مفر اک یہی ان کو نظر آئی

اک روز درِ دولتِ عالی پہ بُلایا اُستاد خدا بخش کو ڈیوڑھی میں بٹھایا

اور کہنے لگے مجھ کو تو فرصت نہیں حضرت حاضر ہے مگر نوکر و چاکر کی جماعت

حسرت جو مہینوں سے ہے فی الفور نکالیں جی بھر کے انھیں آپ کلام اپنا سُنا لیں

یہ کہہ کے ادھر صاحبِ خانہ ہوئے رخصت — تیور میں چھپائے ہوئے اکراہ و ملامت
یہ طنز بھی سمجھا نہ مگر حرص کا بندہ — جھٹ کھینچ لیا جیب سے غزلوں کا پلندہ
ملہار کے انداز میں اُڑنے لگیں تانیں — گرنے لگیں، اُٹھنے لگیں، مُڑنے لگیں تانیں
القصہ خدا بخش نے جی بھر کے سُنایا — اور لطفِ سخن مالی و دھوبی نے اُٹھایا

دی داد سبھوں نے یہی ملتے ہوئے کھینی
"ھتی کھُوب گجلیا جے بھاتی میاں گینی"

خوش ہو کے کسی شخص نے کھینی بھی بڑھائی — اک شخص نے دی آپ کو بیڑی و سلائی
اس طور سے پاتے گئے جو داد بفائی — بس پھُول کے کُپّا ہوئے اُستاد بفائی

کاہے کو نصیب ایسی ہوئی تھی کبھی عزّت
تا عمر رہی یاد چمرچٹ کو یہ صحبت

شہرتِ اضافی

اک مولوی پڑھاتے تھے دیوان رودکی
سینے میں اک خلش ہوئی نام و نمود کی

ویسے تو شعر کہتے تھے خود بھی کٹر مٹر
سودا ہوا یہ سر میں کہ ہو جائیں نامور

ڈھیلی تھی کل دماغ کی، خواہش جنوں بنی
اور روشنائی ان کی تمنا کا خوں بنی

مضموں چرا چرا کے لکھی روز اک غزل
لفظوں کو توڑ موڑ کے معنی دیئے بدل

ہر روز بھیجنے لگے حضرت غزل نئی
لیکن ایڈیٹروں نے توجہ ذرا نہ کی

شہرت نے التفات نہ کی جب جناب سے
ساری ہوا نکل گئی بطنِ حباب سے

اک یارِ غار سے ہوئے پھر مشورہ طلب
نام و نمود کے لئے کیا ہو سبیل اب

وہ دوست اپنے وقت کے تھے کائیاں بڑے
سنتے ہی گُر کی بات بتائی کھڑے کھڑے

کہنے لگے کہ آپ پریشان ہیں فضول
یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہوں اسقدر ملول

نسخہ بتا رہا ہوں عمل آپ کا ہے کام
پھر دیکھئے غلام بنیں گے نمود و نام

کالک کچھ اور تھوپ کے قلبِ سیاہ میں
اک شاعرِ عظیم کو چُنیئے نگاہ میں

پھر جونک کا جو کام ہے وہ کام کیجئے
یعنی لپٹ کے جسم سے خون اس کا پیجئے

اس مشورے پہ مولوی صاحب اُچھل پڑے / بتیسوں دانت فرطِ خوشی سے نکل پڑے

جاتے ہی گھر پہ کام یہ پہلے پہل کیا / اک شاعرِ عظیم کا دیوان چن لیا

خنجر بنا کے پھر قلم بے لگام کو / قصّاب کی نگاہ سے دیکھا کلام کو

الفاظ اور حروف کے سینوں کو کرکے چاک / مفہوم اور خیال کو یوں کر دیا ہلاک

جیسے کہ ذبح کرکے کوئی گوسفند کو / رکھتا ہو کاٹ چھانٹ کے ہر جوڑ بند کو

قیمہ بنا کے چھوڑ دے اک ایک ران کو / اور اس کے ساتھ پیس دے ہر استخوان کو

اشعار کے کچھ ایسے مطالب کئے بیاں / اربابِ علم و فہم تھے انگشت در دہاں

تھا بسکہ ہر مراسلہ ورزش دماغ کی / مُنہ اپنا پیٹتی تھی زباں میر و داغ کی

جغرافیہ کو کہہ دیا علمِ کلام ہے / ثابت کیا پہاڑ سمندر کا نام ہے

بُلبُل کو زاغ، باغ کو گلخن کہا کیے / دشمن کو دوست، دوست کو دشمن کہا کیے

ہالے کو چاند، چاند کو ہالا بنا دیا / بھالے کو سوئی، سوئی کو بھالا بنا دیا

تنقیص نامے یوں ہی دھڑا دھڑ ہوئے رقم / اک شُترِ بے مہار کی صورت چلا قلم

پھر کیا تھا کارِ شوق سرانجام ہو گیا / شاعر کے ساتھ آپ کا بھی نام ہو گیا

قصّاب کے چھُرے کو معافی ازل سے ہے / شہرت کی ایک قسم اضافی ازل سے ہے

فرعون کا بھی نام ہے موسیٰؑ کے ذیل میں
زندہ ابولہب ہے نبیؐ کے طفیل میں

بانیانِ مشاعرہ

اے منتظمِ بزمِ سخن ، بانیِ صحبت
کچھ تجھ سے مقامی شعرا کو ہے شکایت

بہتر ہے فریقین میں ہو جائے صفائی
بہتر ہے کہ باقی نہ رہے دل میں کدورت

یہ بات مسلّم کہ تجھے وردِ سخن ہے
اور یہ بھی بجا تجھ کو میسّر ہے فراغت

اوقات گذاری کے لئے تیری نظر میں
بہتر مئے و مینا سے ہے اشعار کی لذت

پرہیز اگر رقص و غنا سے ہے بظاہر
کچھ مصلحتِ وقت ہے کچھ پاسِ شریعت

پھر اس کے علاوہ یہ کھلی بات ہے اب تو
بزمِ شعرا کرتی ہے دونوں کی نیابت

القصہ ترا ذوق جو اُکساتا ہے تجھ کو
مائل بہ سخن ہوتی ہے جب تیری طبیعت

کرتا ہے بپا اپنے یہاں مجلسِ شعری
بہ پیشِ شعرا بھیج کے پروانۂ دعوت

گھر پر ترے جُٹ جاتے ہیں وہیں خوش آہنگ
موقع ہو تو واہی کی بھی ہو جاتی ہے شرکت

جمتی ہے سرِ شام سے اکثر جو یہ صحبت
ہوتی ہے شام آخرِ شب تک کہیں جا کر

جی کھول کے اشعار سُناتے ہیں سخن ور
اور داد کی تقسیم بھی ہوتی ہے بہ کثرت

لیکن کبھی اس بات پہ بھی غور کیا ہے
تو ان کی کیا کرنا ہے کس طرح ضیافت

پتواڑی کی دوکان کی دو ایک گلوری
یا چائے کی اک آدھ پیالی بہ کراہت

چھ گھنٹے جو محبوس رہیں بزم میں تیری
کیا ان کے تحمل کی یہی ہوتی ہے قیمت

کیا تجھ کو گماں ہے کہ ہیں شاعر ولی اللہ
کھانے کی ضرورت ہے نہ پینے کی ضرورت

کیا تجھ کو گماں ہے کہ وہ ہیں قحط کے مارے
اور قحط کے ماروں کو تو فاقوں کی ہے عادت

مطبخ جو نرا ہو دلِ واہی کی طرح سرد
ہوٹل کو تو کاشانہ احساں سے ہے قربت

اے منتظمِ بزمِ سخن کیا نہیں جائز؟
تجھ سے جو مقامی شعراء کو ہے شکایت

واہی کی ہے یہ نظم وکالت شعراء کی
واللہ کہ خود اس کو نہیں کوئی شکایت

مُشاعرہ

شاعر کو کیوں نہ دل سے ہو پیارا مشاعرہ
ہے اس کی زندگی کا سہارا مُشاعرہ

ذوقِ سخن کو "بیرومیٹر" فرض کیجئے
اس کی مناسبت سے ہے پارا مُشاعرہ

تعمیر ہوتے رہتے ہیں تخئیل کے محل
اشعار اینٹ ہیں تو ہے گارا مُشاعرہ

شاعر کو کہئے ماہیِ دریائے شاعری
بنسی ہیں منتظم تو ہے چارا مُشاعرہ

ہر ایک قومی جشن میں ہوتا ہے منعقد
اب تو بنا ہے راج دلارا مُشاعرہ

(قطعہ)

اربابِ فن سے کہہ دو کہ وہ دور لد گیا
جب تم تھے اسکے اور تھا تمھارا مُشاعرہ

ذوقِ سخن کی پیاس بجھاتی تھی شاعری
تھا فکرِ ہم حیات کا دھارا مُشاعرہ

اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی
بزمِ نشاط بن گیا سارا مُشاعرہ

قوّال جب سے شاعرِ غرّائے بزم ہیں
سنگیت کی سبھا ہے ہمارا مُشاعرہ

سنسان چوک ہو گیا کوٹھے اُجڑ گئے
ان کی جگہ ہے انجمن آرا مُشاعرہ

طبلہ ہے منھ پھلائے ہوئے ڈھول خشمگیں
دشنام سُن رہا ہے بچارا مُشاعرہ

ہے شاعری کی موت پہ اک بزمِ تعزیت
تحسینِ ناشناس کا مارا مُشاعرہ

عرضِ کاتب

(کاتب کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔ اسے پڑھ کر کاتبوں کی انجمن جب سخت برہم ہوئی تو اس نظم کے ذریعہ ان کی وکالت بھی کرنا پڑی)

اے حضرتِ واہی! اہلِ میدانِ ظرافت
ہم اہلِ کتابت سے ہے کیوں آپکو وحشت

تصویر کے صرف ایک ہی رُخ پر جو نظر ہے
تقصیر معاف، آپ کا یہ ضعفِ بصر ہے

ہم میں سے کوئی شخص نبی ہے نہ ولی ہے
لغزش تو ہر انسان کا حقِ ازلی ہے

دن رات جو لکھتا رہے بیٹھا ہوا اکڑوں
اس سے یہ توقع کہ دماغ اس کا ہو موزوں

ہم عالم و فاضل ہیں نہ استادِ سخن ہیں
ہم اہلِ قلم ہیں نہ کوئی ماہرِ فن ہیں

ایسا ہی ملا ہوتا اگر ہم کو مقدّر
کیا ہم نہیں ہوتے کسی پرچے کے ایڈیٹر

مانا کہ کبھی بھول بھی ہو جاتی ہے ہم سے
مانا کہ کبھی چُوک بھی ہوتی ہے قلم سے

اک اور بھی منزل ہے مگر قبلِ طباعت
کہتے ہیں جسے منزلِ تصحیحِ کتابت

اور اس کا تعلق ہے فقط ان فضلا سے
سر جن کا غبارہ ہے ادارت کی ہوا سے

ہوں خواہ ایڈیٹر کہ اسسٹنٹ ہوں اُن کے
جو بھی ہوں وہ پورے ہی ہوا کرتے ہیں گُرو کے

بس دیکھ لیا ایک ذرا ترچھی نظر سے
تصحیحِ کتابت کی بلا ٹل گئی سر سے

اکثر یہ تماشا بھی ہوا کرتا ہے حضرت
باقی ہے فقط آخری فرمے کی طباعت
ناگاہ ایڈیٹر کو بڑی دُور کی سُوجھی
"اک زلف پہ پھبتی شبِ دیجور کی سوجھی"
بس جھٹ سے لکھے چند شرربار مقالے
اور ان کو بہ عجلت کیا کاتب کے حوالے
ہر پانچ منٹ پر ہوا فرمان یہ صادر
کیجے پئے تصحیح انھیں جلد ہی حاضر

عجلت میں جو لکھا تو قلم کھا گیا ٹھوکر
تاخیر اگر کی تو بگڑ بیٹھے ایڈیٹر

کیا عرض کریں ہم تو سدا مُہر بہ لب ہیں
مضمون نگاروں کے حروف اور غضب ہیں
پڑتا ہے کبھی ایسی بھی تحریر سے پالا
کر دیتی ہے جو ہوش ہمارا تہ و بالا
کاغذ پہ فقط چند لکیریں جو رقم ہوں
کیوں کر نہ حواس اپنے اُڑیں، خبطہ نہ ہم ہوں
ہم لوگ کوئی لال بُجھکڑ تو نہیں صاحب
جو ایسی لکیروں کا نکالا کریں مطلب
جب ایسے مضامین ملیں بہرِ کتابت
ظاہر ہے کہ بن جائیگی اک اک کی حجامت
تصویر کا یہ رُخ بھی اگر سامنے ہوتا
حضرت کا قلم طنز کے نشتر نہ چبھوتا

یہ بات بس اب پایۂ تحقیق کو پہنچی
کمزور کی جورو ہے بھرے گاؤں کی بھابی

شاعرِ مۓ خوار

محترم صدر و حاضرینِ کبار! — با ادب! با ملاحظہ! ہشیار
دیکھیے جھومتے ہوئے پہنچے — ادب و شاعری کے اک معمار
چال میں شوخ مہ وشوں کی ادا — آنکھ میں سُرخ بوتلوں کا خمار
لغزشِ پا کی خوشش خرامی پر — روحِ میخانہ ہو رہی ہے نثار
بُو پسینے کی پھیلتی ہے یُوں — جیسے کُھل جائے طبلۂ عطار
گاؤ تکیے سے لگ کے بیٹھ گئے — اک نظر دیکھ کر یمین و یسار
پڑ رہی ہے مشاعرے میں جان — جا و بیجا ہے داد کی للکار
اِن پہ فقرے ہیں، اُن پہ پھبتی ہے — نشّۂ مے سے نطق ہے سرشار
گھر پہ ملتی نہیں ہے تاڑی بھی — کیونکہ پاسی ہے سخت ناہنجار
لاکھ کیجیے خوشامدیں اس کی — نہیں دیتا ہے ایک بوند اُدھار
فیضِ اہلِ مشاعرہ ہے مگر — آج باقی نہیں ہے وہ ادبار

ایک ادھے کا مل گیا تھا دام — کیوں طبیعت بنے نہ باغ و بہار
آپ کا نام جب پکارا گیا — لڑکھڑاتے ہوئے اُٹھے اک یار
ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچ لیا — جیب سے کاغذات کا انبار
جھوم کر پھر یہ زور سے گرجے — صاحبو! اک غزل کے چند اشعار
ایک مصرع کو تحت لفظ پڑھا — بن گئے دوسرے میں موسیقار
تیسرے میں اٹک گئی آواز — خشکیِ مے سے نطق کو تھا فشار
دفعتاً آئی ایک اُبکائی — دفعتاً فرش بن گیا گلنار
نصف بوتل بھی ہضم کرنے سے — معدہ کم بخت کر گیا انکار
تالیاں پیٹنے لگے لونڈے — گونج اُٹھے بزم کے در و دیوار
ایک ہُلّڑ مچا سرِ محفل — اُٹھ گئے سامعینِ خوش اطوار

شاعرِ بادہ خوار بیٹھ گیا
باہمہ حالِ زار بیٹھ گیا

انہماک

اچانک ایک ہمسایہ کے مرنے کی خبر پا کر
برائے تعزیت دوڑے ہوئے پہنچے ہم اُنکے گھر

وہاں ہر ایک کے چہرے پہ تھی افسردگی طاری
کوئی خاموش تھا اور کوئی محوِ گریہ و زاری

پسر مرحوم کے سب سے زیادہ دل گرفتہ تھے
پدر کی ناگہانی موت سے خاطر شکستہ تھے

انہی کے پاس بہرِ غم گُساری ہم بھی جا بیٹھے
کیا دریافت آخر ہو گیا یہ حادثہ کیسے

مرض کیا تھا اچانک آج جس نے یہ ستم ڈھایا
بچارے نے کلیجہ تھام کر ہم سے یہ فرمایا

ہمارے والدِ مرحوم اپنی دُھن کے پکے تھے
وہ جو بھی کام کرتے تھے اسی میں ڈوب جاتے تھے

کُنواں کھدوا رہے تھے آج اپنے گھر کے آنگن میں
لگی تھی انہماکِ شوق سے اک آگ سی تن میں

ہمیشہ کی طرح اس کام میں بھی آج یوں ڈوبے
کہ بالآخر کُنوئیں میں غرق ہو کر پھر نہ وہ اُبھرے

قبلہ آپ!

اتفاقاً ہم سفر تھے ریل میں دو وضعدار
جن کے ہر انداز میں تھی اک ادائے انکسار

صبح دم جب رفع حاجت کی خلش پیدا ہوئی
ہاتھ میں لوٹا لیئے دونوں ہی اُٹھے ایک بار

وضعداری، پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی
ایک ہی بیت الخلا تھا اور دو امیدوار

ایک نے سر کو جھکا کر دوسرے سے یہ کہا
قبلہ پہلے آپ جائیں میں کروں گا انتظار

دوسرے صاحب نے فرمایا نہیں قبلہ نہیں
ایسی جرأت کر نہیں سکتا کبھی یہ خاکسار

پہلے ہو لیں آپ فارغ، بعدہٗ جاؤں گا میں
میری خاطر آپ ناحق ہوں نہ زحمت سے دوچار

صاحبِ اوّل نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں
آپ پر لے جاؤں سبقت یہ نہ ہوگا زینہار

دیر تک چلتی رہی اک دوسرے کے درمیاں
"قبلہ پہلے آپ" کی حجت بہ عجز و انکسار

کوئی سبقت کے لئے تیار ہوتا ہی نہ تھا
گرچہ فطرت کا تقاضہ ہو رہا تھا بار بار

دونوں ہی دہلیز پر پہلو بدلتے رہ گئے
وضعداری توڑ کر ہونا تھا کس کو شرمسار

دم بہ دم بڑھتا چلا جاتا تھا آنتوں پر دباؤ
مادّہ کے بوجھ سے اعصاب میں تھا انتشار

ضبط اور برداشت کی بھی آخرش ہوتی ہے حد
رُخ سے دونوں کے اذیت ہو رہی تھی آشکار

صاحبِ اوّل مگر بے چین تھے حد سے سوا
دونوں ہاتھوں سے کمر کو تھامتے تھے بار بار

دفعتاً بابِ اجابت ایک جھٹکے سے کھُلا
بڑھ کے اُن کی وضعداری پر کیا فطرت نے وار

ایک لمبی سانس لے کر، رکھ کے لوٹا اک طرف
دوسرے صاحب سے بولے وہ بزرگِ وضعدار

پیش قدمی کیجیے قبلہ تکلّف بر طرف
مَیں تو فارغ ہو چکا، میرا نہ کیجے انتظار

سکندر نامہ

(۱۹ر جنوری ۱۹۶۱ء کو میرے ایک دوست کے سالے کی شادی تھی۔ اتفاق سے بارات میرے دوست کی بستی میں ہی گئی۔ وہاں سالے صاحب کی نصف درجن بہنیں پہلے سے بیاہی تھیں۔ یہ نظم اسی وقت لکھی گئی)

سالے کی جب برات چلی دھوم دھام سے
بہنوئی سب کے سب سمٹ آئے تمام سے

کچھ تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
کچھ ایسے بھی جو اپنی ضعیفی سے مضمحل

کچھ ایسے جن کے بچّوں کا درجن میں ہو شمار
کچھ وہ جو منصبِ پدری کے امیدوار

دولھا میاں اگرچہ ہیں گو نم بنے ہوئے
دراصل ہیں سکندرِ اعظم بنے ہوئے

بہنیں بلائیں لیتی ہیں چلمن کی اوٹ سے
بجلی چمک رہی ہے غراروں کی گوٹ سے

ان میں کچھ ایسی بھی ہیں جو عہدِ شباب میں
شوہر بنا کے پوجتی تھیں ان کو خواب میں

ماضی کی یاد سے جو دلوں میں اٹھا ہے درد
حسرت سے ان کو دیکھ کے بھرتی ہیں آہ سرد

بہنوئی صاحبان صفِ میمنہ میں ہیں
بچے پرا جمائے ہوئے میسرہ میں ہیں

ماموں کو دیکھ دیکھ کے چہرے بحال ہیں
ان کی خوشی سے مائیں بھی ان کی نہال ہیں

یہ بھی ستم ظریفیِ قدرت کی ہے مثال
بہنوئیوں کا دیس ہے سسرال کا محال

دولھا میاں کی بند نہ کیوں کر رہے زباں
ہر گھر میں اک بہن ہے کئی بھانجیوں کی ماں

سالا بنائیں کس کو، کریں کس سے دل لگی
کوئی سگا ہے اور کوئی بھانجی سگی

نسبت لگانے والوں نے گُل یہ کھلا دیا
سسرال میں غریب کو سالا بنا دیا

مقدّر

(ایک زمانے میں ایک برسرِاقتدار لیڈر، طالب علموں کو "جگر کے ٹکڑے" کہا کرتے تھے، اور انھیں ہر طرح کی چھوٹ دے رکھی تھی جس کے نتیجے میں امنِ عامہ درہم برہم ہو گیا تھا۔)

"جگر کے ٹکڑوں" کو اس بات پر تھا سخت ملال
کہ امتحان میں چوری نہ کر سکے اِس سال

یہی سبب تھا کہ "گھیراؤ" ٹیچروں کا ہوا
یہی سبب تھا کہ کالج میں ہو گئی ہڑتال

قیامِ امن کی خاطر پولس بلائی گئی
مگر یہ حکم بھی تھا سختیاں نہ ہوں فی الحال

پولس کو دیکھ کے نزلہ ادھر رجوع ہوا
کیا جیالوں نے ان کا بھی بڑھ کے استقبال

کچھ اس طرح سے ہوئی سنگ و خشت کی بارش
بجز فرار نہ سوجھی انھیں نجات کی چال

پڑوس کے کسی تھانے کا ایک کانسٹبل
کہ جو غریب تھا ناواقفِ حقیقتِ حال

اُتر کے بس سے اسی وقت کورٹ جانے لگا
لئے ہوئے کوئی اَرجنٹ خط پئے ارسال

"جگر کے ٹکڑوں" کی اس پر نظر پڑی ناگاہ
پھر اس کے بعد تو جیسے کہ آ گیا بھونچال

چہار سمت سے ہونے لگی پذیرائی
بچارہ ہاتھوں میں ان کے بنا رہا فٹ بال

پٹائی اچھی طرح ہو چکی تو کانسٹبل
کراہتا ہوا بھاگا وہاں سے زار، نڈھال

پہنچ کے حاکمِ اعلیٰ کے پاس رو رو کر — سُنائے اس نے پٹائی کے دل خراش احوال
بہ غور سُن کے سپاہی کا ماجرا سارا — سخن طراز ہوئے حاکمِ بلند اقبال
رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت — خدا کا شکر کرو جان بچ گئی فی الحال
فضا خراب تھی جب شہر کی، تو لازم تھا — کہ لے کے عقل سے کچھ کام سوچ لیتے مآل
پہن کے آتے جو سادہ لباس، بچ جاتے — بنی تمھاری یہ وردی تمھاری جان کا کال
لہٰذا یاد رکھو واپسی میں تم ہرگز — ادھر سے گذرو تو وردی کرو نہ استعمال
غرض اتار کے وردی، پہن کے سادہ لباس — چلا وہ دل میں لئے خود حفاظتی کا خیال
محاذِ جنگ کا نقشہ اب اور ہی تھا مگر — بدل چکی تھی سراسر وہاں کی صورتِ حال
سپاہیوں نے جوابی عمل کیا تھا شروع — تھا آب و تاب پہ نظم و نسق کا جاہ و جلال
ہر اک سپاہی بہ صد غیظ کر رہا تھا رقم — "جگر کے ٹکڑوں" کا ڈنڈوں سے نامۂ اعمال
یہی تھا وقت کہ گذرا ادھر سے کانسٹبل — بچھا رہا تھا مقدر مگر دوبارہ جال
سپاہیوں نے یہ سمجھا کہ وہ بھی غنڈا ہے — کیا غریب کا ڈنڈوں سے پھر تو استقبال
ہزار کانسٹبل نے دہائی دی لیکن — کیا نہ بے گنہی کا کسی نے اسکی خیال
وہ لاکھ کہتا رہا میں بھی اک سپاہی ہوں — مگر سبھوں نے یہ سمجھا کہ ہے وہ مکر کی چال

بنی تھی صبح کو وردی سبب پٹائی کا
لباسِ سادہ بنا، وقتِ شام جان کا کال

میرِ فتنہ

بوا جمالو کا قصہ ہے اس قدر مشہور
کہ اس کو پھر سے سُنانا مجھے نہیں منظور

وہ چل بسی ہیں، مگر ان کی جو روایت ہے
وہ ان کے چند بھتیجوں کی اب وراثت ہے

نہیں ہے وقت کہ تفصیل سے بیاں سُنئے
بس ان کے ایک بھتیجے کی داستاں سنئے

کہ جن کا اسم گرامی ہے حضرت فتنہ
سلیقہ آپ کو فتنہ گری میں ہے اتنا

کہ بھُس میں ڈال کے چنگی نماز پڑھتے ہیں
فسانہ گر ہے طبیعت فسانے گڑھتے ہیں

اگرچہ آپ کا پیشہ معلّمی ہے مگر
ہے اضطرابِ ذہانت سے پاؤں میں چکّر

"علیَ الصّباح چوں مَردُم بہ کاروبار روند"
بغل میں اپنی دبائے ہوئے کتابیں چند

وہ ناشروں کے محلّے میں جا نکلتے ہیں
اور ان کے تن پہ خوشامد کا تیل ملتے ہیں

پھر ان پہ دھونس لیاقت کی یوں جماتے ہیں
نئی کتاب کے دو اک ورق سناتے ہیں

کتابیں ہوتی ہیں گو ثانوی جماعت کی
مگر انھیں کے سہارے ہوس ہے شہرت کی

ادیب و شاعر و نقاد جو بھی ہوں مشہور
سبھوں سے آپ کو اک بُغضِ للّٰہی ہے ضرور

جڑ آپ کاٹتے رہتے ہیں یارِ صادق کی — ہیں جملہ کُل صفتیں آپ میں منافق کی
کلاس روم ہو یا ٹیچروں کا کامن روم — کہیں خموش نہیں ہے یہ عادتِ مذموم
کبھی ہے اِن کی شکایت کبھی گلہ اُن کا — ہے رات دن یہی محبوب مشغلہ اُن کا
ہر ایک دل میں ہے آگ آپکی لگائی ہوئی — غرض زباں نہ ہوئی اک دیا سلائی ہوئی
لڑا دیا کسی شاعر کو ایک ناقد سے — بھڑا دیا کسی مجذوب کو مجاہد سے
کبھی تو قلبِ مورخ میں بو رہے ہیں خار — کبھی ہیں ایک محقق کی آستیں کا مار
مشاعرہ ہو کہ دنگل ہو یا جوا خانہ — وہ بحث چھیڑتے رہتے ہیں فرقہ وارانہ
کسی نے ایک مقالہ لکھا جو تنقیدی — جواب آپ نے فوراً ہی لکھ کے تردیدی
کسی غریب کا چپکا کے اس پہ فرضی نام — بچھائے صفحۂ اخبار پر فریب کے دام
کسی کے شعر کی تشریح منقلب کر کے — سناتے جاتا سڑک پر اک ایک کو دھر کے
نئی نئی ہو جسے تبصرے کی بیماری — پھنسا کے دام میں اپنے اسے بہ ہُشیاری
مقابلے میں کھڑا کر کے اس کو اُلجھانا — تماشہ آڑ سے ٹٹی کی دیکھتے جانا

یہی ہے مشغلۂ خاص میر فتنہ کا!
سُناؤں آپ کو ان کی میں داستاں کیا کیا

فلم اسٹار

میں فلمی ستارہ ہوں دنیا مری اُجیالی — جیون مرا مصنوعی پیشہ مرا نقالی
بچپن کے زمانے میں گھر والوں سے چھپ چھپ کے — اُستاد بقاتی سے سیکھی تھی جو قوالی
یہ فیض اسی کا ہے، اس فلم کی نگری میں — حاصل جو ہوئی مجھ کو خوش وقتی و خوشحالی
ہولی میں دسہرے میں بھرتا تھا سوانگ اکثر — کام آ ہی گئی آخر سیکھی ہوئی نقالی
تعلیم سے اُکتا کر جب گھر سے میں بھاگ آیا — اک سیٹھ کی کوٹھی میں پہلے تو بنا مالی
جب ساکھ ہوئی قائم، کچھ اور ترقی کی — اک فلم کے دفتر کی کرنے لگا رکھوالی
اک روز طبیعت میں اپنی جو سرور آیا — بیٹھا ہوا اک ٹک پہ گاتا تھا میں قوالی
جیسی بھی ہو موسیقی، تکنیک تھی فلمانہ — اک تال میں دس سر کی آواز تھی اجالی
سنتا تھا کھڑا پیچھے، اک فلم پروڈیوسر — اُس نے مرے سرگم میں کچھ بات نئی پالی
پھر کیا تھا اسی دن سے تقدیر چمک اُٹھی — جیون کے اندھیرے میں بس آ گئی دیوالی
اب میں ہوں مرا دل ہے، اور حُسن کی محفل ہے — اب میری نگاہیں ہیں اور فلم کی ہریالی

تصویر کے پردے پر کھاتا ہوں قلابازی — فلموں میں شہنشاہی، کھولی میں زبوں حالی

"میک اَپ" کی پٹاری میں تفریح کا ساماں ہوں — تھالی کا کبھی بینگن، بینگن کی کبھی تھالی

اک فلم میں ہیرو ہوں، اک فلم میں جوکر ہوں — کرسی پہ کبھی جج کی، مجرم کبھی اقبالی

ہر بات میں بنوٹ ہے ہر شئے میں نمائش ہے
ہنسنا مرا مصنوعی، آنسو مرے گھڑیالی

جیون کا مرے لیکن اک اور بھی پہلو ہے — جو عین حقیقت ہے جس میں نہیں نقالی

آزادی و بیباکی، الحردمی و رسوائی — اس کوچۂ رنگیں کی ہر بات ہے ٹکسالی

رومان لڑانے میں تخصیص نہیں کوئی — وہ دوست کی بیوی ہو یا اپنی کوئی سالی

پھنسنے میں پھنسانے میں ہوتی ہے بسر اپنی — دن رات محبت کی لڑتی ہے یہاں پالی

میں ایک زلیخا کو گھر اپنے بھگا لایا — بھاگی کسی یوسف کو لے کر مری گھر والی

اس پردۂ سیمیں کے پیچھے جو حقیقت ہے
لفظوں میں یہی اس کی تصویر ہے اجمالی

افواہ نگار

شہر سے اپنے نکلتا ہے جو ڈیلی اخبار
اسی اخبار کا ہوں سب سے اہم نامہ نگار

منفعت بخش یہ پیشہ ہے، بہر طور ہوں خوش
کام ایسا کہ ذرا بھی نہ طبیعت پہ ہو بار

بینک بیلنس بھی ہے، گھر بھی بنایا ہے نیا
ہے سواری کے لیۓ ایک نئی موٹر کار

"اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے"
اس لیۓ اور بھی رہتا ہوں مسرت بہ کنار

سنسنی خیز خبر گڑھ کے رقم کرتا ہوں
وہ بھی گھر بیٹھے کہ جس میں نہ ہو محنت درکار

میری تحریر پہ سر دھنتے ہیں پڑھنے والے
میرے اسلوب سے قائم ہے صحافت کا وقار

کوہ کو کاہ بناتا ہے تو رائی کو پہاڑ
جب رواں ہوتا ہے میرا قلمِ خوش رفتار

یاد ہے وہ بھی زمانہ کہ جب اس کوچے میں
میں نے رکھا تھا قدم پہلے پہل با دلِ زار

کہیں بلوہ، کہیں اغوا، کہیں جلسہ ہوتا
جا پہنچتا تھا وہاں دوڑ کے دیوانہ وار

بات جو ہوتی وہی چھان پھٹک کر لکھتا
کسی افواہ پہ میں کان نہ دھرتا زنہار

اس کے باوصف ہمیشہ یہ نتیجہ نکلا
کہ ایڈیٹر کو مرے کام سے چڑھتا تھا بخار

میری تحریر میں جس درجہ صداقت ہوتی   وہ اسی درجہ مجھے ڈانٹ پلاتا ہر بار
میرے مکتوب میں تحریف و اضافہ کر کے   پھر نئے سر سے کیا کرتا تھا مضموں تیار

ایک ہم پیشہ صحافی کا ہے احسان مگر
جس نے اک روز بتائے مجھے نکتے دو چار

دفعتاً میری صحافت کا مقدّر جاگا   دفعتاً میرا قلم بن گیا چرچل کا سگار
اور اب تو ہے ایڈیٹر سے مرا یارانہ   میری تحریر میں پاتا ہے وہ اپنا معیار
اب تو جی کھول کے بے پَر کی اُڑاتا ہوں مَیں   اب تو معراجِ ترقی پہ ہے اس کا اخبار

من گھڑت بات بھی کیا جذب و اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز، مگر رکھتی ہے

نورِ چشم

رہتے تھے اک بزرگ مرے گھر کے متّصل — تھا جن کے نورِ چشم سے شیطان بھی خجل
تھا یوں تو نورِ چشم کا نو دس برس کا سن — لیکن ابھی سے آپ تھے اک روگِ مستقل
اہلِ محلّہ کانپتے رہتے تھے خوف سے — تھے یوں سوار ان کے کلیجہ پہ بن کے سِل
گھر میں کسی کے گھس کے چرا لائے مُرغیاں — چُپکے سے توڑ آئے پڑوسی کی سائیکل
جب بھی گئے دُکاں پہ کسی کام کے لئے — دھیرے سے جیب میں کوئی شئے کرلی منتقل
ہر وقت سوجھتی تھی شرارت نئی نئی — دن رات توڑ پھوڑ میں لگتا تھا خوب دل
ہوتی تھی خوب مار کُٹائی بھی آپ کی — لیکن مجال کیا جو طبیعت ہو منفعل
تعلیم سے تھا آپ کو اک بغضِ للّٰہی — پڑھنے کا نام سنتے ہی ہوتے تھے مضمحل
گو والدین پر تھے عیاں گُن سپوت کے — ان کے معاملات میں ہوتے نہ تھے مُخل

آخر جو سر سے پانی زیادہ گذر گیا
اک وفد اُن کے والدِ ماجد کے گھر گیا

سب نے یہ دست بستہ کہا، آں جناب سے — للہ بخش دیجیے ہم کو عذاب سے

لختِ جگر نے آپ کے، ناکوں میں دم کیا — ہم میں کوئی بچا نہیں ان کے عتاب سے

دنگا، فساد، جیب تراشی، فریب، جھوٹ — چھوٹا نہیں ہے کچھ بھی، شرارت مآب سے

تعلیم و تربیت کا یہی خاص وقت ہے — اب آپ کام لیجیے کچھ رُعب داب سے

نورِ نظر کو کام کا انساں بنائیے — ورنہ سُدھر سکیں گے نہ وہ اس حساب سے

بل ابروؤں پہ ڈال کے یوں بولے وہ بزرگ — حیرت میں پڑ گئے سبھی ان کے جواب سے

فرمایا آپ نے کہ، یہ بکواس ہے فضول — مَیں مشورہ طلب تو نہیں ہوں جناب سے

جس راہ پر لگا ہے، وہی راہ ہے درست — کیوں آپ کو جلن ہے مرے ماہتاب سے

پڑھ لکھ کے ڈاکٹر نہ بلیڈر بنے گا وہ!

ہو کر جوان، قوم کا لیڈر بنے گا وہ!!

دلیل

ایک صاحب ہیں مرے شہر میں کافی مشہور
قوم کے درد سے رہتے ہیں جو ہر دم رنجور
ٹھیکے داری بھی ہے راشن کی دُکانیں بھی ہیں
ہر طرح خرّم و خوش حال ہیں چشم بد دور
ماہرِ فنِ سیاست بھی، مقرّر بھی ہیں
نطق کے سحر سے کرتے ہیں دلوں کو مسحور
ان کی خدمت میں جو کل صبح کے ہنگام گیا
وہ نظر آئے مجھے حد سے زیادہ مسرور
سامنے میز پہ تھی چائے کی کشتی رکھی
اک طرف قاب میں تھے تازہ چمن کے انگور
مجھ کو بھی چائے عطا کی گئی از راہِ کرم
اس نوازش پہ ہوا دل سے میں اُن کا مشکور

باتیں ہونے لگیں پھر وقت گذاری کے لئے
مَیں کہ تھا فکرِ معیشت سے ملول و رنجور
ان سے کرنے لگا موجودہ گرانی کا ذکر
اور کی عرض کہ اب زیست ہے دشوار حضور
اب تو دو وقت کی روٹی کا ٹھکانہ بھی نہیں
اس طرح ہم ہوئے مہنگائی کے ہاتھوں مجبور
اس طرح قلّت و قیمت نے کمر کو توڑا
کہ بنا جاتا ہے اب زخمِ معیشت ناسور
بات پوری ابھی کہہ بھی نہ سکا تھا کہ اُدھر
شکن آلود نظر آئی جبینِ پُر نور
دفعتًا صاحبِ موصوف غضب ناک ہوئے
دفعتًا چشم ہوئی شعلہ فشاں مثلِ تنور
ہوا ارشاد کہ شکوہ ہے گرانی کا غلط
سرِ بازار ہے دو روپیہ فی سیر انگور
یعنی بازار میں انگور ہے ستّو کے بھاؤ
جو غریبوں کا ہے کھانا جو غذائے مزدور
پھر یہ کہنا کہ گرانی سے ہوئے آپ تباہ
جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، واللہ! حقیقت سے دور

ٹیڈی کفن

اک ٹرک کی تیزیِ رفتار کا مارا ہوا / شہر کا اک نوجواں اللہ کو پیارا ہوا

لاش کی تدفین کا ہونے لگا جب انتظام / آئے نگرانی کو مسجد سے محلّے کے امام

تھی ضرورت بہرِ غسل و دفن جس جس چیز کی / حسبِ حکمِ شرع اک اک کر کے منگوائی گئی

بیس گز لٹھا جونہی لایا گیا بہرِ کفن / خانۂ غم میں ہوئی ہلچل سی پیدا دفعتاً

تھے وہیں موجود اکثر دوست بھی مرحوم کے / یک بیک اُٹھے وہ اپنی کرسیوں سے جھوم کے

غیظ میں بھرے ہوئے، چیں بر جبیں، کف در دہاں / جیسے ان کی آن پر چوٹ آگئی ہو ناگہاں

کر کے مجمع کو مخاطب یوں شرر افشاں ہوئے / صاحبو! توہینِ میت کے یہ کیوں ساماں ہوئے

مرنے والا جو رہا تا عمر اک ٹیڈی بوائے / بعد مُردن اسکی یوں تضحیک ہو، اب ہائے ہائے

ڈیڑھ گز میں سوٹ سلواتا رہا جو عُمر بھر / بیس گز کا یہ کفن ہے طنز اس کی موت پر

ہم نہیں تیار ہرگز اس تماشے کے لئے / پانچ گز کپڑا بہت کافی تھا لاشے کیلئے

لفٹ رائٹ کرتے پھر سب واک آؤٹ کر گئے

خانۂ غم سے نکل کر جانبِ پکچر گئے

موجد

اسپتنک اور راکٹ کا دَور جب سے آیا
ایجاد کا کرشمہ ہر قوم نے دکھایا
اس جنگِ برتری میں ہم بھی رہے نہ پیچھے
زور اپنے بازؤں کا ہم نے بھی آزمایا
تقلید دوسروں کی توہین تھی جو اپنی
اپنے عمل کا رستہ سب سے الگ بنایا
ہم نے منافع خوری پر صَرف کی توجّہ
اور ڈھیر تجربوں کا شام و سَحر لگایا
اس فن میں اپنی حکمت سے ایسے گُل کھلائے
ہر شعبۂ عمل نے کُھل کر فروغ پایا
ہو مسئلہ دوا کا ، یا قلّتِ غذا کا
ہر ایک مسئلہ کا جڑ سے کیا صفایا

خوش رنگ شیشیوں میں گڑ کا قوام بھر کے
ٹانک کا نام دے کر بیمار کو کھلایا
جنگلی پھلوں کا روغن چربی میں خوب پھینٹا
شُدھ گھی کے نام سے پھر بازار میں کھپایا
ثابت کیا کہ کھریا مٹی میں کیلشیم ہے
جس کو نمک سمجھ کر عام آدمی نے کھایا
سیندور اور گیرو میں ڈھونڈ کر وٹامن
مرچوں کے پاؤڈر میں جی کھول کر ملایا
پانی کی بالٹی میں میدہ کو گھول ڈالا
اور تازہ دودھ کہہ کر اطفال کو پلایا
چاول میں سنگ ریزے، آٹے میں ریگ ڈالی
اشیائے خوردنی کی قلت کو یوں گھٹایا

دُنیا میں چار جانب ڈنکا بجا ہمارا
ایجاد کے ستوں پر جھنڈا گڑا ہمارا

نگرانی

(بددیانتی اور رشوت کی روک تھام کے لیئے "نگراں" مقرر کیئے جارہے ہیں۔ لیکن
'ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد' کا معاملہ درپیش ہے۔)

اک شہنشاہ کو اسکیم یہ سوجھی اک بار
کہ محل والوں کو شُدھ دودھ ملے لیل و نہار
ڈیری فارم کھُلا قلعۂ شاہی کے قریب
جانور پالے گئے اس میں کئی ایک ہزار
ان کی نگرانی پہ معمور ہوئے چُن چُن کر
جتنے گھوسی بھی ملے تجربہ کار و ہشیار
دودھ سے بھرنے لگے شام و سحر سیکڑوں دیگ
ایک سے ایک بڑھ چڑھ کے سبھی گائیں دُدھار
اتفاقاً شہِ ذی جاہ نے دیکھا اک دن
تیرتی پھرتی ہے اک دیگ میں پوکھر کی سنوار

گھوسیوں کی جو دیانت نظر آئی مشکوک
غیظ سے چہرۂ عالی ہوا فوراً گلنار
ایک داروغہ مقرر ہوا ان کا نگراں
تاکہ آئندہ ملاوٹ کا نہ ہو کاروبار
ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ اک دیگ میں پھر
نظر آئے شہِ ذی جاہ کو مینڈک دو چار
فرطِ حیرت سے کھلی رہ گئیں آنکھیں ان کی
پڑ گئی عارض و ابرو پہ شکن پھر اک بار
حکم صادر ہوا، کچھ اور بڑھے نگرانی
سب کا انچارج بنا ایک نیا عہدیدار
ایک گھوسی، کہ جہاں دیدہ و عاقل تھا بہت
اس نے کی عرض کہ تقصیر معاف اے سرکار
ملک میں جب کہ ٹکے سیر ہو ایمان کا بھاؤ
لاکھ کوشش پہ بھی بدلے گا نہ قومی کردار

افسروں پر نئے افسر جو مقرر ہوں گے
آج مینڈک ہیں تو کل دودھ میں اژدر ہونگے

آبادی کا مسئلہ

(اسپتال میں کس مپرسی کی ایک موت کی خبر سے متاثر ہوکر)

عقل تھی لیڈروں کی فریادی　　دن بہ دن بڑھ رہی ہے آبادی
جب بھی ہوتا ہے ملک کا سنسس　　بڑھتے جاتے ہیں لاکھوں لاکھ نفس
گو کہ ہم نے کیئے جتن سارے　　کالرا اور پلیگ بھی ہارے
قحط کا بھی نہ بس چلا افسوس　　یہ مرض اور بڑھ گیا افسوس
مَلک الموت کی بھی چل نہ سکی　　یہ بلا بھوک سے بھی ٹل نہ سکی
کون سی اب سبیل ہو پیدا　　مُلک کمبخت کا ہو جس سے بھلا

کس طرح فکر سے ہو آزادی
یعنی کیوں کر گھٹے یہ آبادی

سُن کے یہ لیڈرانِ قوم کی بات　　شہر ڈھاکہ کے ڈاکٹر حضرات
کہہ کے لبیک سب کے سب اک بار　　خدمتِ قوم پر ہوئے تیار
مَلک الموت کی قسم کھا کر　　ٹھوک کے تال سب نے کس لی کمر

دفعتاً اسپتال کی دُنیا
بن گئی اک جدال کی دُنیا

چھڑ گئی جنگ زندگی کے خلاف
وارڈ کے وارڈ پھر تو ہو گئے صاف

جو بھی بیمار وارڈ میں آیا
ہو گیا اس پہ موت کا سایا

روح تن چھوڑ چھوڑ کر بھاگی
زیست مُنہ موڑ موڑ کر بھاگی

گر شکم میں کسی کے درد ہوا
پیٹ ہی اس کا چاک کر ڈالا

کالرا کا ہوا مریض اگر!
دے دی اس کو دوائے دستِ آور

تھا کسی کو جو روگ پیچش کا
ٹائیفائیڈ کی پائی اُس نے دوا

دھو کے ہاتھ اپنی زندگانی سے
چل بسا اس جہانِ فانی سے

لیکن آئے نہ ڈاکٹر نزدیک
ان کو ہونا تھا اک ڈنر میں شریک

مختصر یہ کہ اس طریقے سے
کام ہونے لگا سلیقے سے

ڈاکٹر صاحبان کے دَم سے
ان کی محنت سے، سعیِ پیہم سے

موت نے پائی عام آزادی
حل ہوا کچھ سوالِ آبادی

ویلفیئر اسٹیٹ

ویلفیئر اسٹیٹ کیا ہے، اک طلسماتی چمن
جس کے گُل بُوٹوں کا یکسر کاغذی ہو پیرہن

ویلفیئر اسٹیٹ کا مطلب ہے اک ایسا سماج
اِک سرے سے دوسرے تک جس میں قائم ہو نراج

جس کے اندر غُل غپاڑے کے سوا کچھ بھی نہ ہو
اک غبارہ جس کے سینے میں ہَوا کچھ بھی نہ ہو

جس کے منصوبوں کی آتش بازیاں ہوں دیدنی
اک ذرا سی روشنی پھر تیرگی ہی تیرگی

گرم بازاری جہاں ہو، چٹ پٹی تقریر کی
ہانڈیاں پکتی رہیں جس جا خیالی کھیر کی

دفتروں میں فائلوں کی کھیتیاں شاداب ہوں
اور غلّے منڈیوں میں سر بسر نایاب ہوں

سیٹھ صاحب کی تجوری دَم بہ دَم بھرتی رہے
اور جنتا مفلسی کے بوجھ سے مرتی رہے

تیل موبل کا جہاں کھا کھا کے روغن کے عوض
شاعروں کو مستقل رہتا ہو پیچش کا مرض

چور بازاری کا پاکٹ مار پیشہ عام ہو
جھوٹ کی ٹہنی پھلے اور سچ فنا انجام ہو

عدل اور انصاف ہو وہ طائرِ قبلہ نُما
رُخ ہوا کا دیکھ کر جو سمت بدلے برملا

اس قدر معیار کنبہ پروری کا ہو بلند
دفتروں میں ڈنڈ پیلیں افسروں کے بھائی بند

پیروی لیٹی رہے کچھ اس طرح ہر کام سے
"مورچہ مخمل سے نکلے، آدمی بادام سے"

اسپتالوں کا رہے گٹھ جوڑ عزرائیل سے
تیز تر ہو موت کی رفتار میزائیل سے

قوم کے کردار میں ہو اختلاف و انتشار
خانہ جنگی اک وبائی شکل کر لے اختیار

یونہی آپس میں گتھے ہوں ذات، مذہب، نسل و رنگ
جیسے جنگل جھاڑ میں ہو سانپ اور نیولے کی جنگ

کالجوں میں ٹیڈیوں کی گرم بازاری رہے
نر ہو ناری کی طرح، نر کی طرح ناری رہے

ٹیچر آپس میں چلائیں خوب جی بھر کر لتاڑ
کوئی اُس کی ٹانگ کھینچے کوئی دے اِس کو پچھاڑ

الغرض ہر فرد "اپنے ویلفیئر" میں مست ہو
اپنی خورش، اپنی پوشش، اپنے گھر میں مست ہو

ویلفیئر اسٹیٹ کوئی دوسری شئے ہو اگر
بندہ پرور، کم سے کم، ہم کو نہیں اس کی خبر

●

آبادکاری

(اگست، ۱۹۴۷ء کی ڈائری کا ایک ورق)

مونٹ بیٹن کی سیاست نے جو مارا ڈنگل
خود حریفوں نے دیا بڑھ کے انہیں گولڈ میڈل

کامیابی پہ کیا سب نے خوشی کا اظہار
سیٹھ مل چند ہوں یا خان بہادر افضل

بی "کرپشن" کو بھی جب یہ خبرِ نیک ملی
درِ دولت پہ بجاتی ہوئی پہنچی چھاگل

تھی جو کچھ شوخ تو کی عرض بصد ناز و نیاز
آپ کا کارج تو اب ہو چکا مہراج سپھل

حشر تک بھول سکے گا نہ زمانہ جس کو
مادرِ ہند پہ ایسا کیا احسان ڈبل

سانپ مُردہ بھی ہوا اور نہ ٹوٹی لاٹھی
آیا 'بھوکمپ' بھی لیکن نہ گرا راج محل

مُلک آزاد ہوا اور غلامی بھی رہی
حق میں جنتا کے رہے ترش ہی انگور کے پھل

کس طرح گوشت سے ناخن کو جدا کرتے ہیں
آپ نے خوب دکھایا وہ جراحت کا عمل

اک اشارے میں ہوئی مُلک کی قسمت تقسیم
مل گیا بیل کسی کو تو کوئی لے گیا ہل

خیر، یہ سب تو ہوا، اب یہ کنیزِ ادنیٰ
جس کی اُلفت میں رہا ایک زمانہ پاگل

اپنے "فیوچر" پہ جو گھبرا کے نظر کرتی ہے
خوف اور یاس سے ہوتا ہے کلیجہ بوجھل

"اس کی محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے"
جس کے گھر جاتا ہے، کہتا ہے کہ چل دور ہو چل

میں کدھر جاؤں کہاں سر کو چھپاؤں جا کر
اب تو قسمت سے نہ کوٹھی ہے نہ بنگلہ نہ محل

خود بدولت نے سنی جب یہ حکایت اسکی — پہلے جھاڑ کا کیئے دو چار منٹ اپنی بغل
متردد، متفکر، متوحش بھی ہوئے — دل پہ گھر آئے جو اندوہ کے گہرے بادل
پھر یہ فرمایا کہ ہاں مرحلۂ نازک ہے — یہ وہ گتھی ہے کہ مشکل ہے بہت جس کا حل
خاص بندوں سے مرے تیری شناسائی تھی — مگر اب ان کے دماغوں میں بھی آیا ہے خلل
انقلابات نے بدلا یہ محبت کا مزاج — بوٹ جو چاٹتے تھے، چوم رہے ہیں چپل
اب تو مختار ہوا ایک لنگوٹی والا — مڑ گیا جس کی سیاست سے مری تیغ کا پھل
ملک کی ساری چڑیلوں کا گلا گھونٹ دیا — میں نے تاریخ میں دیکھا نہیں ایسا کھتیل
ہاں مگر ذہن میں آئی ہے نئی اک تجویز — جان بچ جائے گی تیری جو کیا اس پہ عمل
گو تری جان کا دشمن ہے لنگوٹی والا — اس کے چیلوں کا مگر ہے جو یہ پھیلا ہوا دَل
ان کی ٹوپی میں بنا جا کے نشیمن اپنا — اُجلی ٹوپی کو سمجھ اپنے لئے رنگ محل
غم کی ماری کے لئے تھا یہ اشارہ کافی — پھر تو سوئے ہوئے جذبوں میں مچی اک ہلچل
درِ دولت سے اُٹھی دل میں امنگیں لیکر — مل گیا عقدۂ مشکل کا یہ آسانی حل

اب جو بسترکوں یہ نظر آتی ہے اُجلی ٹوپی
"بی کرشن" کا اسی قلعہ کے اندر ہے محل

اَے بھائی مصدّق

(جس زمانے میں مصدق ایران کے وزیر اعظم تھے، انگریزی سامراج کو پسپا ہو کر، وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔)

انگریز کو کس شان سے اُنگلی پہ نچایا
اَے بھائی مصدّق

واللہ بڑا لطف ہمیں دیکھ کے آیا
اَے بھائی مصدّق

ایران کو سمجھے تھے جو میراث پدر کی
باندی کوئی گھر کی

اِنگلینڈ کا رستہ انھیں دو دن میں دکھایا
اَے بھائی مصدّق

غُرّہ تھا جنھیں ایٹمی ہتھیار کے اوپر
بمبار کے اوپر

الفاظ کے ڈھیلوں سے انھیں مار بھگایا
اَے بھائی مصدّق

پٹرول کے چشموں پہ "ہنی مون" کا منظر
اب ختم ہے یکسر

دولت کا نشہ ترشیٔ محنت نے اُڑایا
اَے بھائی مصدّق

جمہور کی طاقت کا کرشمہ ہوا ظاہر
پیٹے گئے ماہر

بے لاگ انھیں تیری سیاست نے ہرایا
اَے بھائی مصدّق

اِس تاک میں بیٹھے تھے، اُلٹ دیں تری بازی   باحیلہ طرازی
واللہ مگر تو نے بھی کیا خوب چھکایا   اَے بھائی مصدق

جس قوم کا پیشہ تھا زمانے کو نچانا   جُل دے کے پھنسانا
دُنیا کی سبھا میں اسے خود تو نے نچایا   اَے بھائی مصدق

صیّاد نے ہر چند بہت دام بچھائے   لاسے بھی لگائے
پھندے میں مگر بُلبُلِ شیراز نہ آیا   اے بھائی مصدق

عاشق کے جنازے کو تکلّف سے نکالا   تھا ڈھنگ نرالا
خود غسل دیا، خود ہی کفن اس کو پہنایا   اَے بھائی مصدق

چرچل کی مناجات

مُسَلَّم ہے زمانے میں مدبّر ہم سے کم نکلے
مگر اب تو ہمارے بھی چچا اہلِ عَجَم نکلے

مٹا با حرفِ باطل کی طرح تقدیر کا لکھا
بصد حسرت دیارِ حافظ و سعدی سے ہم نکلے

جنھیں امرت کا دھارا ہم سمجھتے تھے زمانے بھر
وہی پٹرول کے چشمے ہمارے حق میں سَم نکلے

وہ جُوئے شیر جس کو ہم نکالیں کوہکن بن کر
جو چھن جائے تو آنکھوں سے نہ خوں کیوں دمبدم نکلے

دعا یہ ہے خدا اب بھی ہماری آبرو رکھ لے
کہ ہم نکلے تو نکلے، نیل اب چشموں سے کم نکلے

ہمارے سورما، برطانیہ کو ناز تھا جن پر
وہاں ایرانیوں کے سامنے کیلے کے تھم نکلے

مصدق نے اکھاڑے میں کچھ ایسی مار دی لنگھی
کہ چاروں شانے چت گرتے ہی سارے پیچ و خم نکلے

خدا شاہد ہے ہم کو اختلاجِ قلب نے مارا
ہمارے واسطے الفاظ کے ڈھیلے ہی بم نکلے

ہمارے سورماؤں کو یہ شکوہ ہے مصدق سے
جہاں میں بے مروّت میزباں تم سے بھی کم نکلے

"وفاداری بشرطِ استواری" کی یہ بے قدری
دیارِ آشنائی سے کیے گردن کو خم نکلے

"نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے"

قیامِ امن

(سامراجی طاقتیں جب ویٹنام میں امن قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں)

مرحبا! اے امنِ عالم کے نگہباں مرحبا — امن کا تو نے نیا معیار قائم کر دیا

تیرے فیضانِ کرم سے آج کل ویٹنام میں — ہو رہا ہے شانتی کا تجربے پر تجربا

امن کیا شئے ہے، سکون و عافیت کیا چیز ہے — ایشیا والوں پہ تو نے خوب واضح کر دیا

زندگی اور امن میں رہتا ہے بعد المشرقین — زندگی میں اور کیا رکھا ہے شورش کے سوا

زندگی کے روگ سے آزاد کرنے کیلئے — آتش و آہن کی ٹانک ہے بڑی اچھی دوا

تیرے طیاروں نے بانٹی یہ دوا جی کھولکر — اس زمیں پہ آگیا تھا زندگی کا کالرا

بڑھ رہے تھے تیز گامی سے جراثیمِ خودی — سامراجی کھیتیوں کے سوکھنے کا خوف تھا

ایسے نازک وقت میں تو نے بچایا ہے اسے — زندہ و پائندہ باد اے سامراجی ناخدا

تیرے بم باروں کے گردو پیش با صد احترام — رقص کرتا پھر رہا ہے شانتی کا دیوتا

گولیوں نے لوریاں دیں، ٹینک تھپکاتے رہے — جو نہ سونا چاہتا تھا وہ بھی آخر سو رہا

زندگی معدوم ہے، آبادیاں مسمار ہیں — شہر پر ہے خندہ زن ارضِ خموشاں کی فضا

موت سے بڑھ کر نہیں ہے امن کا کوئی سفیر — اس صداقت کا پتہ وٹنام میں تو نے دیا

تیری کوشش بارور ہے تیری محنت سرخرو — دو تہائی ملک میں تو امن قائم ہو چکا

یہ جو اس کی نبض میں باقی ہے ہلکی سی دھمک — جان لے، یہ بھی بڑا خطرہ ہے تیری راہ کا

فکر ایسی کر کہ اب یہ دردِ سر بھی دور ہو — خود تری دوکان میں ملتی ہے "اکبرُ الشفا"

ہے مریضِ امن کو حاجت اسی تریاق کی
کام کب آئے گی آخر، جوہری بم کی دوا

٭

(یہ نظم ویٹ نام میں جنگ کے ابتدائی دنوں میں کہی گئی تھی۔ لیکن اب نقشہ بدل چکا ہے۔
سامراجی طاقتوں کو عوامی طاقت کے سامنے پسپا ہونا پڑا اور آج ویٹ نام آزاد ہے۔)

اسمِ اعظم

جو لوگ ہیں مخالفِ شغلِ مُشاعرہ
ان سے ہے میری عرض، سُنیں ایک واقعہ
ہو گی مشاعرے کی عیاں جب افادیت
ہرگز کریں گے پھر نہ وہ اس کی مخالفت

اک میرے دوست جن کو ہے سودائے شاعری
ہے جن کے دَم سے شہر میں غوغائے شاعری
رہتے ہیں رات دن جو فدائے مُشاعرہ
بس وہ ہیں اور مدح و ثنائے مُشاعرہ

اک بار سخت طور سے بیمار جب پڑے
بہرِ علاج آئے معالج بڑے بڑے
ممکن تھا جو علاج وہ فوراً کیا گیا
حد تو یہ ہے کہ اُکسیجن بھی دیا گیا

لیکن مرض نے طول وہ کھینچا کہ الاماں
منکا ڈھلا غریب کا، ہونٹوں پہ آئی جاں
بس اب وداعِ روح کا ہنگام تھا قریب
پڑھنے لگا تھا سورۂ یٰسین ہر طبیب
اتنے میں ایک نبض شناس و محل شناس
آیا قریبِ شاعرِ بیمار و گم حواس
اور جھک کے اس نے کان میں چپکے سے کچھ کہا
بس دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ بدل گیا

نبضِ مریض چلنے لگی اعتدال سے
جھلکی حیات، جسم کے ہر خد و خال سے
انگڑائی لی جناب نے اور آنکھ کھول دی
جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا آپ کو کبھی

حیرت تھی حاضرین کو اس انقلاب پر
تھی عقل گم معالجۂ کامیاب پر
کچھ لوگ یہ سمجھنے لگے معجزہ ہوا
اور کچھ تو یہ سمجھ بھی نہ پائے کہ کیا ہوا
کچھ دیر بعد میرا تحیر ہوا جو کم
اس صاحبِ کمال سے پوچھا کہ محترم

فرمایئے، وہ اسمِ حیات آفریں ہے کیا
جس سے ہمارا شاعرِ بیمار جی اُٹھا
واللہ اس نے موت کو دی ہے شکستِ فاش
ورنہ یہ وقت وہ تھا کہ اٹھتی یہاں سے لاش
اُس مردِ خوش مذاق نے ہنس کر دیا جواب
ترکیب میرے ذہن کو سوجھی یہ لاجواب

شاعر کے کان میں یہی جھک کر کہا فقط
حضرت! مشاعرہ کا ہے آیا کہیں سے خط
فی الفور بزمِ شعر میں جانا ہے آپ کو
اٹھئے بھی اب، کلام سنانا ہے آپ کو

●

اشٹ گرہ

کبھی کبھی تو نحوست وہ کام کرتی ہے
کہ خود ہی دوڑ کے جھکتی سلام کرتی ہے

ابھی جو اشٹ گرہ کا تھا شور وغل پھیلا
تمام ملک کے اندر مچا تھا واویلا

نجومیوں نے یہ جوتش کے تیر تھے مارے
کہ مل رہے ہیں فلک پر جو آٹھ سیارے

تو اس غریب زمیں پر زوال آئے گا
ہزار آفتیں آئیں گی، کال آئے گا

اب اس خبر سے دماغوں میں وہ خلل آیا
کہ مغز سب کے سروں سے معاً نکل آیا

جہاں بھی جائیے ہر سُو اسی کے چرچے تھے
توہمات سے مملو تمام پرچے تھے

گرہ کی کاٹ کی ترکیب بھی نکالی گئی
کمند، گردشِ سیارگاں پہ ڈالی گئی

وہ یوں کہ ہونے لگا جیا بجا ہری کرتن
سحر سے شام تلک گائکوں نے گائے بھجن

قلوبِ اہلِ توہم جو ڈر سے گھبرائے
تو ان غریبوں کے اچھے سَمے پلٹ آئے

رئیس و اہلِ دُوَل نے تجوریاں کھولیں
مہاجنوں نے اناجوں کی بوریاں کھولیں

گرہ کی ساعتیں رحمت بنیں پھر ان کے لئے
سبھوں کی زحمتیں راحت بنیں پھر ان کیلئے

لگائی جانے لگی ان کے سامنے ڈالی
ہوئی نصیب مقدر سے فارغ البالی

ہوَن کے زور سے افلاک کو منایا گیا
تمام ملک کا گھی آگ میں جلایا گیا

اک اور فائدہ اس تہلکے نے پہنچایا
کہ روزگار کو بیمے کے خوب چمکایا

جو سال بھر میں کماتا کوئی غریب ایجنٹ
وہ تین دن میں کما لایا خوش نصیب ایجنٹ

اسی طرح سے بچارے مسافروں کیلئے
سفر میں بھیڑ سے مارے مسافروں کیلئے

گرہ کی ساعتیں پیغامِ امن و راحت تھیں
سکونِ جسم تھیں، زائل کُنِ صعوبت تھیں

گھروں سے کوئی نکلتا نہ تھا سفر کیلئے
ہزار کام ہو چلتا نہ تھا سفر کے لئے

ان ہی دنوں میں جو ہم اک مشاعرے میں گئے
تو تھرڈ میں بھی ملے فرسٹ کے سفر کے مزے

خدا سے اب یہ دعا ہے کہ ایزدِ غفار
پھر آئے سال میں جب بھی مشاعروں کی بہار

تو شاعروں پہ ترا فیضِ عام ہو جائے
یونہی ستاروں کا گڑبڑ نظام ہو جائے

نئی یونی ورسٹی

مصلحت جو کچھ بھی ہو ارباب حل و عقد کی!
ہر ڈویزن میں کھلی جب ایک یونی ورسٹی
بانجھ کے گھر جس طرح جشنِ ولادت کی ہو دھوم
یوں ہی سادہ لوح جنتا کو خوشی حاصل ہوئی
تھے مگر سب سے زیادہ خوش وہ حکامِ جلیل
جن کے ذمہ دی گئی تنظیم دانش گاہ کی
کیوں نہ خوش ہوتے کہ دل کی آرزوئیں جاگ اُٹھیں
تھیں نظر کے سامنے اب تو چراگاہیں نئی
دال موٹ اور سیو کھا کر چائے پی لینے کے بعد
شام کو ہونے لگی دو افسروں میں خوش گپی
ایک صاحب جوش میں آ کر تھے سرگرمِ سخن
دوسرا مثلِ بزِ اخفش تھا باندھے ٹکٹکی

گفتگو یہ تھی کہ لیتے ہی نئے عہدے کا چارج

اک ذرا سکھ چین کی بنسی بجائی جائے گی

اک ذرا فٹ فاٹ سے جیون کے دن بیتیں گے اب

تا یہ کے یہ ملگجی دھوتی یہ ڈھیلی مرزئی

دفترِ نو کے لئے فوراً کروں گا منتخب

شہر میں کوٹھی نظر آئے گی جو سب سے بڑی

اپنے آرام اور آسائش کا رکھنا ہے خیال

ہوگی اپنے خاص کمرے کی سجاوٹ دیدنی

پہلے کی جائے گی کمرے کی ائر کنڈیشنگ

اس پہ چاہے جو رقم بھی بیٹھ جائے خرچ کی

ہوں گی دیواروں پہ یوں موزیک کی گلکاریاں

دید سے جن کی نگاہوں میں ہو پیدا گدگدی

اپنی نگرانی میں بنواؤں گا فرنیچر تمام

جن میں ہوگی صنعت کشمیر کی جادوگری

آئے گا ایران سے قالین کمرے کے لئے

اور سوئیزرلینڈ سے دیوار کی زریں گھڑی

میز کے پہلو میں ہوگی آٹومیٹک کال بل

ذہن نے ڈھونڈا کسی کو اور وہ بجنے لگی

اس سکوں پرور فضا کو اور کر دے گی حسیں
مرکری لائٹ کی دل آویز ہلکی روشنی
متصل کمرے کے ہو گا ایک چھوٹا باتھ روم
جس کی اک اک چیز ہو گی الٹرا سینی ٹری
سُن رہا تھا تیسرا اک شخص بھی یہ گفتگو
اک ذرا سی دیر کو قینچی زباں کی جب رکی
دست بستہ اس نے کی یہ عرض، میرے محترم
بات کچھ تعلیم کے بارے میں بھی سوچی گئی؟
کچھ پڑھانے اور لکھانے کا بھی ہوگا بندوبست؟
یا فقط کھل کر ہی رہ جائے گی یونی ورسٹی
دفعتاً نطقِ گہر افشاں کو سکتہ لگ گیا
دفعتاً کجلا گئی تخئیل کی تابندگی
کچھ خجالت اور کچھ خفگی کی کیفیّت لئے
اس کی جانب اک نگاہِ قہر آلودہ اُٹھی
بن رہا تھا جو ہوائی قلعہ، دھم سے گر گیا
چھا گئی ماحول پر اک خواب آگیں خامشی

●

ٹیوشن

دوستو، آؤ محض تفریحاً — زندگی کا مری کرو درشن
مجھ کو کہتے ہیں 'ماسٹر صاحب' — میرا پیشہ پرائیوٹ ٹیوشن
صبح سے شام تک بہ ہر موسم — بیچتا ہوں دماغ کا روغن
تب کہیں جا کے زندگی کا چراغ — دھیمے دھیمے ہے اک ذرا روشن
ایک صاحب کے گھر پڑھاتا ہوں — جن کے بچے ہیں کوئی اک درجن
"نورچشمی" سے "نورچشما" تک — ہر سن و سال کی ہے اک پلٹن
ہوں بہ ظاہر پرائیوٹ ٹیوٹر — درس و تدریس ہے مگر ضمناً
ہاٹ، بازار، میرے ذمّہ ہے — جا کے لاتا ہوں پیٹھ پر راشن
پانی بھرتا ہوں جھاڑو دیتا ہوں — ہیں فرائض مرے یہی عملاً
ایک بسکھٹ ملا ہے سونے کو — جس کے کھٹمل ہیں جان کے دشمن
نوکروں کو غذا جو ملتی ہے — وہی راتب ہے میرا مستقلاً
موٹے چاول کی ایک ہاف پلیٹ — اک پیالی میں دال کا دھوون

آلو یا اُول کا کبھی بھرتہ — ورنہ سبزی میں بس تلا بیگن
یوں تو پکتا ہے گھر میں اکثر ہی — قورمہ، کوفتہ، کباب، مٹن
میرے حصّہ میں ان کی خوشبو ہے — کبھی ہوتا نہیں مگر درشن
ایک دل چسپ واقعہ سنئے — جو مری زندگی کا ہے درپن
ایک دن شب کے وقت کھانے میں — دیکھتا کیا ہوں، چھوکرا چُمّن
موٹے چاول کے ساتھ لایا ہے — اک بڑے قاب میں بھرا سالن
ہائے مت پوچھیے خوشی میری — دل کے چودہ طبق ہوئے روشن
پل میں آنتوں کی خشک کھیتی پر — جیسے آکر برس گیا ساون
چھوکرے سے معًا بصد شفقت — مَیں نے پوچھا کہ او میاں چُمّن
بات کیا ہے، جو آج اس گھر میں — ایک دم سے بدل گیا ہے چلَن
بیگمِ مہرباں نے بھیجا ہے — کس خوشی میں یہ تحفۂ سالَن
چھوکرا اک ذرا تامّل سے — اک نظر دیکھ کر سوئے چلمن
مجھ سے کہنے لگا بہ آہستہ — شام کے وقت جب بُوا گلشن
پان کھانے گئی تھیں آنگن میں — چُولھے پر سے اُتار کر سالَن
اتنے میں گھر کا پالتو کُتّا — آگیا توڑ کر گلے کی رسَن
اور مُنھ ڈال کر پتیلی میں — ایک بوٹی نکال لی فورًا
دیکھتی تھیں یہ ماجرا سارا — بیگمِ مہرباں کی خوشدامن
مچ گئی اک قیامتِ صغریٰ — خوب کوسی گئیں بوا گلشن

قصہ کوتاہ ، بعد جھک جھک کے   رائے سب کی ہوئی یہ متفقاً

اس کو کھالیں گے ماسٹر صاحب

کیوں ہو برباد سیر بھر سالن

یہ تو اک عام رُخ ہے ٹیوشن کا   خاص رُخ کا بھی کیجیے درشن

میرے اک دوست لکچرر ہیں جو   وہ بھی کرتے ہیں چند اک ٹیوشن

لیکن ان کا مُعاملہ ہے دگر   وہ بناتے ہیں ریت سے مکھّن

تاجرانہ ہے ذہنیت اُن کی   ہے طبیعت میں مارواڑی پن

جس طرح سے بلیک مارکِٹنگ   ہے تجارت کا ایک رازِ کُہن

یُوں ہی میرے پروفسر صاحب   درس وتدریس میں ہیں ماہرِ فن

آدمی تیز و مصلحت بیں ہیں   تھامے رہتے ہیں وقت کا دامن

ایک ہفتہ میں صرف دو گھنٹے   جا کے لڑکوں کے گھر پہ معمولاً

گپ لڑاتے ہیں، چائے پیتے ہیں   تاش بھی کھیلتے ہیں تفریحاً

چین سے لُطف سے گذرتا ہے   سال بھر وقت یُوں ہی تقریباً

فصل جب امتحاں کی آتی ہے   تب دکھاتے ہیں اپنا جوہرِ فن

کنفی ڈِنشل کلرک سے مل کر   آپ اُڑا لیتے ہیں ہر اک کوئسچن

اور رٹا دیتے ہیں جواب ان کا   اپنے کُل لاڈلوں کو مِن وعَن

اور اس پر بھی بس نہیں کرتے   ختم ہے ان پہ پیروی کا فن

ڈھونڈ کر ممتحن کے گھر کا پتہ   اس کے در پر جماتے ہیں آسن

شیخ صاحب ہوں یا کہ پنڈت جی
ہوں خدا بخش یا کہ رام چرن

کتنا ہی خشک کیوں نہ ہو کوئی
روغنِ قاز مل کے تدریجاً

اس کی خشکی کو دور کرتے ہیں
کہ خوشامد بھی ہے عجب مکھن

شائع ہوتا ہے دو مہینے بعد
پیروی کا نتیجہ مختصراً

پاس ہو جاتے ہیں بہ صد اعزاز
ان کے شاگرد جو کہ بھتے کو دن

مَیں بھی ٹیوٹر ہوں، وہ بھی ہیں ٹیوٹر
یہ بھی ٹیوشن ہے، وہ بھی ہے ٹیوشن

●

لفافے

آج میں ایک رسالے کے جو دفتر میں گیا — محوِ ترتیبِ مضامین تھے مدیرِ اعلیٰ
پوسٹ مین آگیا اتنے میں وہاں ڈاک لئے — پوسٹ کارڈ اور لفافوں کی کئی تھاک لئے
لگ گیا میز پر اس طرح خطوں کا انبار — جس طرح شہر کی گلیوں میں ہو کوڑے کی قطار
لی ایڈیٹر نے انھیں دیکھ کے اک انگڑائی — کبھی رخسار پہ زردی کبھی لالی آئی
کر کے پھر ڈاک کا تودہ تہ و بالا جھٹ سے — کارڈ جتنے تھے انھیں چن کے نکالا جھٹ سے
ان میں جو کام کا تھا، پڑھ کے الگ چھانٹ لیا — اور باقی جو بچے پھاڑ کے نیچے پھینکا
کارڈ کے بعد لفافوں کی جو باری آئی — اک عجب طرح کی چہرے پہ اداسی چھائی
دیکھتے دیکھتے رخسار کی رنگت ہوئی زرد — ایسا ظاہر ہوا جیسے کہ اٹھا پیٹ میں درد
میں نے گھبرا کے کیا حضرتِ والا سے سوال — بات کیا ہے جو طبیعت ہوئی اس درجہ نڈھال؟
وہ یہ بولے کہ میں کیا حالِ دلِ زار کہوں — بسکہ حالات کے چنگل میں ہوں اک صیدِ زبوں
یہ لفافوں کا جو انبار نظر آتا ہے — اُف، اسے دیکھتے ہی منہ کو جگر آتا ہے

یہ لفافے مرے اعصاب پہ چھا جاتے ہیں
میرے ایوانِ خیالات کو ڈھا جاتے ہیں

ان میں کچھ اور نہیں، صرف غزل ہوتی ہے
دیکھ کر جن کو طبیعت مری شل ہوتی ہے

دن میں دو بار اسی طرح سے ڈاک آتی ہے
اور ہر بار غزل تھاک کی تھاک آتی ہے

نہ تو خاکہ، نہ ڈرامہ، نہ کوئی افسانہ
بس جو آیا تو فقط "حالِ دلِ دیوانہ"

ان لفافوں میں نہ جب کوئی مقالہ نکلے
کیوں نہ اردوئے معلّٰی کا دوالہ نکلے

جس طرح سے کسی منڈی میں ہو جاپانی مال
یونہی بازارِ صحافت میں ہے غزلوں کا حال

چھاپنا چاہوں جو میں صرف غزل کے اشعار
آج بن جائے رسالہ مرا "ڈیلی اخبار"

ہر گلی کوچے میں دس بیس سخنور ہیں ضرور
جن کے افلاس کا ہوتا ہے تغزل میں ظہور

جن کا آغاز غزل، جن کا ہے انجام غزل
دن غزل، رات غزل، صُبح غزل، شام غزل

ذہن مفلس ہے، مگر مشقِ سخن جاری ہے
یہ غزل گوئی بھی اعصاب کی بیماری ہے

شعر جیسے بھی ہوں، بھیجیں گے اشاعت کیلئے
زیست دشوار ہے اب اہلِ صحافت کیلئے

"اب تو گھبرا کے یہ کہتا ہوں کہ مر جاؤں گا"
قبر میں بھی جو یہ پہنچے! تو کدھر جاؤں گا

لیبر لیڈر

ان سے ملئے آپ لیبر یونین کے صدر رہیں
صورتاً پُر امن، لیکن سیرتاً اک غدر ہیں

آپ ہیں سب سے بڑے نیتا یہاں مزدور کے
آپ کی نظروں میں وہ لڈو ہیں موتی چور کے

ان کے دل میں آپ کا سکّہ ہے یوں بیٹھا ہوا
سینۂ عاشق میں جیسے داغ غم معشوق کا

موٹیا کی ایک اُجلی مرزئی پہنے ہوئے
ملگجی دھوتی کا پلّو دوش پر ڈالے ہوئے

پان کی دوکان جو ہے کارخانے کے قریں
آپ کا جمتا ہے آسن صبح سے شب تک وہیں

آشرم بھی ہے وہیں، قومی عدالت بھی وہیں
بنتی رہتی ہے غریبوں کی حجامت بھی وہیں

مل کے مزدوروں کو ملتی ہے جو اجرت ہفتہ وار
آپ اس میں سے ہیں چوتھائی رقم کے حصّہ دار

یونین کے فنڈ میں چندہ نہیں دیتا ہے جو
آپ کا غیظ و غضب بس مول لے لیتا ہے وہ

مل کے پھاٹک پر کھڑے رہتے ہیں دو والنٹیر
توڑتے ہیں لاٹھیوں سے نا دہندوں کا جو سر

خواہ کوئی بھی ہو موسم جیٹھ، ساون، ماگھ پوس
شام کو ہر روز لے کر آپ چلتے ہیں جلوس

لب پہ نعرے مالکانِ کارخانہ کے خلاف
دھمکیاں ہڑتال کی ہمّت شکن، گردوں شگاف

آپ کی آتش زبانی، الحفیظ والاماں
آپ گنگا کی جگہ، پٹرول سے دھوئی زباں

زندگی کے سرد چولھوں کو لہک دیتے ہیں آپ
کھیت میں بارود کے شعلے چھڑک دیتے ہیں آپ

آپ لیکن درحقیقت دو رُخی تلوار ہیں
مالک و مزدور دونوں کے علَم بردار ہیں

صبح سے تا شام مزدوروں کا سر کھاتے ہیں آپ
مالکوں کے ساتھ راتوں کو ڈنر کھاتے ہیں آپ

ماہِ نو جب تیس دن کے بعد ہوتا ہے شروع
نو صباحِ دولت و اقبال ہوتی ہے طلوع

بیدھڑک جنرل منیجر سے ملا کرتے ہیں آپ
نام سے چندے کی جیب اپنی بھرا کرتے ہیں آپ

اس سے سُلجھے یا نہ سُلجھے مسئلہ مزدور کا
بینک بیلینس آپ کا بڑھتا ہی رہتا ہے سدا

آپ کے قبضہ میں اک آراستہ کوٹھی بھی ہے
مل کی جانب سے عطا کردہ نئی گاڑی بھی ہے

مالک و مزدور دونوں خوش ہوں جس کے کام سے
اس کو کیا خطرہ ہو لاحق گردشِ ایّام سے

ٹیڈی بوائے

کہتے ہیں لوگ ہم کو تمسخر سے ٹیڈی بوائے
ہر شخص ہم بچاروں پہ ہے ناک بھوں چڑھائے

سب ہو رہے ہیں کوفتہ جل بھن کے ڈاہ سے
جو بھی ہے دیکھتا ہے وہ ترچھی نگاہ سے

دن رات ہے گرفت ہمارے لباس کی
جیسے کڑی نگاہ بہو پر ہو ساس کی

ہیں معترض، قمیص کا دامن جو تنگ ہے
شکوہ یہ ہے کہ پینٹ نہیں ہے سرنگ ہے،

مُہری اگر حدودِ کمر تک ہے چوڑی دار
اتنی سی بات بھی ہے طبیعت کو ناگوار

سَو سَو طرح سے ہم پہ تمسخر کیا گیا
بُش شرٹ کو ہماری ، بلاؤز کہا گیا

یعنی جو ہم لباس کی تھوڑی بچت کریں
روئی کی اور کپاس کی تھوڑی بچت کریں

اور اس طرح سے ملک کی دولت جو ہم بچائیں
انصاف کیا یہی ہے کہ اُلّو بنائے جائیں

نائی سے بال ہم نہ کٹائیں تو اعتراض
بالوں میں تیل اگر نہ لگائیں تو اعتراض

جوتوں کی وضع میں جو ہو ندرت تو اعتراض
مونچھیں جو ہوں کٹار کی صورت تو اعتراض

سڑکوں پہ ہم ملہار جو گائیں تو ناگوار
رستے میں سیٹیاں جو بجائیں تو ناگوار

آزاد ملک اور یہاں ایسی بندشیں؟ — مرضی سے اپنی کام نہ ہم کوئی کر سکیں
مجنوں جو خاک نجد کی چھانے تو ہے بجا — مشہور ہوں جو اس کے فسانے تو ہے بجا
لیکن جو ہم سڑک پہ لڑائیں کسی سے عشق — جی بھر کے لعن طعن ہو از ہند تا دمشق
یہ کل کی بات ہے کہ اودھ خوش مزاج تھا — اس ارضِ سربلند میں بانکوں کا راج تھا
جاڑوں کی سرد فصل میں اور وہ بھی دن ڈھلے — ململ کی شیروانی پہنتے تھے منچلے
اس پر یہ گفتگو تھی، پھُنکے جا رہے ہیں ہم — اللہ ری تپش کہ جلے جا رہے ہیں ہم
ان پر نہ آج تک کوئی حضرت خفا ہوئے — ہیں اک ہمیں عتاب میں جو مبتلا ہوئے

زندہ ہے وہ عظیم روایت ہمیں سے آج
جاری ہے بانکپن کی شریعت ہمیں سے آج

واہی کو بولنے کی اجازت اگر ملے — وہ مصلحانِ قوم سے صرف اس قدر کہے

ان مشغلوں میں خود کو نہ گر مبتلا کریں
بے روزگار قوم کے اطفال کیا کریں؟

ٹیڈی گرل

کاکلِ شبگوں، کمر تک نیچے جو بل کھائے ہوئے
ٹامیوں کی شان سے ان کو ترشوائے ہوئے

نرگسِ مخمور پر، گاگلز کی رنگیں نقاب
پاؤڈر کے کوٹ سے شاداب عارض کے گلاب

ہونٹ لپ اسٹک کی سرخی سے شفق گوں لالہ زار
جن کے گرد و پیش اک ہلکے تبسم کی پھوار

اک دوپٹہ نائلن کا یا حریری جھلینٹ کا
گردنِ سیمیں سے ناگن کی طرح لپٹا ہوا

ریشمی ملبوس تن پر، آستیں سے بے نیاز
اس طرح فٹ جیسے کوئی فقرہ چستِ مجاز

اس قدر چسپاں بدن پر وہ حریری پیرہن
اک ذرا ہنسنے لگیں تو ٹوٹ جائیں گُل بٹن

چُست شلواروں میں ٹانگیں ایڑیوں سے تا کمر
یوں شکنجے میں کہ جیسے کوئی مجرم دار پر

جسم کا ہر نقش، ہر خط، جلد کی ہر اک شکن
پردۂ پوشاک کے اندر سے بھی جلوہ فگن

اس ادائے خاص سے جلووں کو بکھراتی ہوئی
آ رہی ہیں چند ٹیڈی گرلز اٹھلاتی ہوئی

ان کے دم سے زندگی کالج کی محشر خیز ہے
وقت کی رفتار سے بھی دل کی دھڑکن تیز ہے

نوجواں تو نوجواں ہیں ان کی سج دھج دیکھ کر
خواب رنگیں دیکھنے لگتے ہیں بوڑھے لکچرر

جب بھڑک کر پوچھتی ہیں ان سے یہ کوئی سوال
آہی جاتا ہے معاً باسی کڑھی میں بھی اُبال

ان کے پہلو سے گزرتا ہے اگر کوئی جواں
بے تکلّف بڑھ کے سر کرتی ہیں اس پر پھبتیاں

گھر پہ ڈیڈی سے فرانڈ کی زباں میں گفتگو
دوستوں سے جنس کی باتیں ممی کے روبرو

وہ جو اک شئے تھی جسے کہتے ہیں نسوانی حیا
ایک لعنت تھی، چلن جس کا زمانے سے گیا

نانی اماں کے زمانے میں جو تھے رسم و رواج
لغویت کس درجہ ہوتی، گر نہ مٹ جاتے وہ آج

اب تو ٹیڈی گرلز کی ہے جلوہ فرمائی کا دور
جا چکا ہے چاند بی بی، لکشمی بائی کا دور

●

حضرت خدنگ

"جناب! ہاتھ میں یہ کون سا رسالہ ہے؟" "سوال مجھ سے ہے؟ اس ماہ کا 'نرالا' ہے"
"نرالا؟ خوب! اگر آپ کو نہ زحمت ہو تو دو منٹ کے لئے یہ مجھے عنایت ہو"
"بڑی خوشی سے" بصد شوق، اس میں زحمت کیا رسالہ حاضرِ خدمت ہے حضرتِ والا"
(نگاہ ڈال کے فہرس پہ، دفعتاً اک بار چڑھا کے چینِ جبیں کی کماں) "خدا کی مار
نیا شمارہ بھی میری غزل سے خالی ہے یہ کم سواد ایڈیٹر کی بدخصالی ہے
تمیزِ شعر و سخن کی نہیں ذرا اس کو شعور سے نہ ادب سے ہے واسطہ اس کو
یہ آج کل کے رسائل ادب پہ ہیں دشنام سخن کے حق میں ہیں یہ مرگِ ناگہاں کے پیام
سخن وروں کی ہے توہین کام بس اِن کا مذاقِ خام کی تسکین کام بس اِن کا"

(رسالہ پھینک کے میری طرف بہ غیظ و غضب)
"ہزار حیف! یہ کم مائیگیِ شعر و ادب"

(میں پوچھتا ہوں ادب سے بہ انکسارِ تمام) "خطا معاف ہو میری، حضور! آپ کا نام؟"

"خدنگ میرا تخلص ہے اور نام بھی ہے
یہ اسمِ خاص بھی ہے اور عرفِ عام بھی ہے"

"بڑی خوشی ہوئی مل کر مجھے جنابِ خدنگ
سخن میں آپ کے ملتا ہے اک نیا آہنگ

اسی رسالے کا ہے آخری جو نصف ورق
کہ جس پہ رہتا ہے فلموں کے اشتہار کا حق

چھپے ہیں اس پہ بہ خطِ خفی جو چند اشعار
عیاں انھیں سے ہے حضرت کے ذوق کا معیار"

"یہ سچ ہے؟ میں نے تو فہرست دیکھ ڈالی تھی
مری غزل سے لباطا اس ورق کی خالی تھی"

"اجی، وہ حضرتِ کاتب کا اک ستم ہوگا
دماغ ان کا کہیں اور کہیں قلم ہوگا"

(وہ اک قدم کی جگہ پھر تو تین لیتے ہیں
جھپٹ کے ہاتھ سے پرچے کو چھین لیتے ہیں)

(غزل کو دیکھ کے) "واللہ خوب پرچہ ہے
اسی لئے تو ہر اک لب پہ اس کا چرچا ہے

یہ سنگِ میل ہے راہِ ادب کی منزل کا
چراغ ہے یہ سخن گستروں کی محفل کا

نگاہِ بد سے خدایا، اسے بچائے رکھ
ادب کے باغ میں یہ گُل سدا کھلائے رکھ

جاگیرداری

بازارِ تمدن کی وہ مشہور طوائف
اب چھوڑ کے پیشہ جو ہے مصروفِ ظائف

تھی جو کہ زمیندار کی معشوقۂ طنّاز
نیرنگِ نظر جس کا جہاں سوز و جہاں ساز

واہی کہ جو آوارہ مزاجی میں ہے کامل
تفریحِ نظر جس کے ارادوں کی ہے منزل

اک روز ٹہلتا ہوا پہنچا جو کہیں سے
مڈبھیڑ ہوئی اس صنمِ بام نشیں سے

ہمدرد جو پایا تو مخاطب ہوئی اس سے
کرنے لگی بدلے ہوئے حالات کے شکوے

کہنے لگی گو خاک ہوئی آج ظہورن
کرتی تھی زمانے میں کبھی راج ظہورن

گو آج مرا حُسن ہے ماضی کی کہانی
تھی محشرِ جذبات کبھی میری جوانی

چلتا تھا اشاروں سے مرے کارِ تمدن
تھی دَم سے مرے گرمیِ بازارِ تمدّن

ہر لب پہ مرے حسن کا رہتا تھا فسانہ
میں جنس گراں تھی، مرا گاہک تھا زمانہ

میں انجمنِ دہر میں تھی شمعِ فروزاں
پروانہ صفت مجھ پہ ہر اک شوق تھا قرباں

ہر دل متاثر تھا مرے حسن و ادا سے
ہر روح معطّر تھی مری بوئے وفا سے

میں گلشنِ تہذیب میں پھولی تھی پھلی تھی | میں عیش کی آغوش میں پروان چڑھی تھی
لچھمی نے لڑکپن میں مجھے گود کھلایا | دولت نے کسانوں کا لہو مجھ کو پلایا
تاریخ کے دامن پہ مرا نقش تھا گہرا | ہر رات دیوالی تھی تو ہر دن تھا دسہرا
اس دیس میں چلتا تھا مرے نام کا سکّہ | تھا سب کے دلوں پر مرے احکام کا سکّہ

لیکن مری قسمت میں تھا کچھ اور ہی ہونا
تقدیر میں لکھا تھا بُڑھاپے میں یہ رونا

بازار میں جب سے کہ موئی کانگرس آئی | ادبار کی بدلی مری تقدیر پہ چھائی
با ایں ہمہ رعنائی و با ایں ہمہ مستی | ہرجائی، جوانی ہی میں بکنے لگی سستی
عاشق ہوئے اس پر مرے ٹھکرائے ہوئے لوگ | پہنچے مری ڈیوڑھی سے نکلوائے ہوئے لوگ
عشّاق پہ میرے یہ مصیبت نئی آئی | کم بخت نے قانون کی زنجیر پہنائی
دیوانے مرے پاؤں ہلا بھی نہیں سکتے | گلیوں میں مری بھاگ کے آ بھی نہیں سکتے
کیا جانے نگوڑی کو کہاں کی تھی عداوت | آتے ہی مری ذات سے کرنے لگی نفرت
کم بخت نے لٹھ بند کسانوں کو اُبھارا | اور میری محبّت کا نشہ سر سے اُتارا
ساتھ اُن کے لئے سُرخ نشاں چند لفنگے | بدوضع، بداطوار، بداعمال، گُڈھنگے
لُچّوں نے مرے قیمتی سامان کو لُوٹا | بازار کو لُوٹا، مری دوکان کو لُوٹا
وہ عطر جو محنت کے پسینے سے کھنچا تھا | جس سے مرا پیراہنِ تہذیب بسا تھا
مغرب کے طبیبوں کا بنایا ہوا سُرمہ | مزدوروں کی ہڈی کا بنایا ہوا سُرمہ

دہقانوں کی چربی میں گھلایا ہوا روغن
کیوڑے میں سیاست کے بسایا ہوا روغن

سب لُٹ گیا سامان امیرانہ ہمارا
بھوتوں کا اکھاڑا ہے پری خانہ ہمارا

میخانہ بھی ویران ہے تھیٹر بھی ہے ویراں
اتوار بھی ویران سنیچر بھی ہے ویراں

اب چوک بھی خاموش ہیں کوٹھے بھی ہے خاموش
سارنگی بھی خاموش ہے، طبلے بھی ہیں خاموش

صدیوں کی سجائی ہوئی دوکان تمدّن
اب آج ہے اک قریۂ ویران تمدّن

●

چار سو بیس

مت پوچھئے کیا ہے چار سو بیس ساری دُنیا ہے چار سو بیس
آزادی کی جنگ چار سو بیس سوراج کا رنگ چار سو بیس
اونچی دوکان چار سو بیس پھیکا پکوان چار سو بیس
نیتاؤں کی آہ چار سو بیس کھدر کی کلاہ چار سو بیس
دھوتی گاڑھی بھی چار سو بیس لمبی داڑھی بھی چار سو بیس
حکام کی ٹیم چار سو بیس ساری اسکیم چار سو بیس
اقوام کا میل چار سو بیس "یو۔این۔او" کا کھیل چار سو بیس
واعظ کا شباب چار سو بیس داڑھی کا خضاب چار سو بیس
سارے اخبار چار سو بیس کل نامہ نگار چار سو بیس

واہی کی ہزل بھی چار سو بیس
اس کی یہ غزل بھی چار سو بیس

(غزل)

ہے اُن کی حیا بھی چار سو بیس　　اور مشقِ جفا بھی چار سو بیس

افسونِ نظر بھی چار سو بیس　　نیرنگ ادا بھی چار سو بیس

مجنوں کا جنوں بھی چار سو بیس　　لیلےٰ کی وفا بھی چار سو بیس

مُنعِم کی عطا بھی ایک دھوکا　　سائل کی دُعا بھی چار سو بیس

جاڑا ہے ابھی، ابھی ہے گرمی　　پھاگن کی ہوا بھی چار سو بیس

گونجے، گرجے، مگر نہ برسے　　کاتک کی گھٹا بھی چار سو بیس

تیری اُلفت بھی ایک دھوکا
واہی کی وفا بھی چار سو بیس

چمچے

بنتا ہیں اگر ایک تو دو چار ہیں چمچے
چڑھتے ہوئے سورج کے پرستار ہیں چمچے

گدی ہے سلامت تو وفادار ہیں چمچے
چھن جائے تو ہم صورتِ اغیار ہیں چمچے

بنتا تو اضافی ہیں، رہے آج، گئے کل
گدّی کی محبّت میں گرفتار ہیں چمچے

گرداب میں پھنس جائے جو کشتیِ قیادت
اک جست میں اس پار سے اُس پار ہیں چمچے

بہتی ہوئی گنگا ہے کرپشن کی جبیں پر
لیڈر ہیں اگر ناؤ تو پتوار ہیں چمچے

ہے ہاتھ میں آقا کے قلمدانِ وزارت
در پردہ مگر مالک و مختار ہیں چمچے

حاکم ہو کوئی، حکم چلے گا تو اِنھیں کا
سچ پوچھیے تو اصل میں سرکار ہیں چمچے

سپلائی کا کوٹہ ہو کہ پرمٹ ہو کہ ٹھیکہ
ہر لوٹ میں دو آنے کے حقدار ہیں چمچے

ہر توڑ کے ہر جوڑ کے ہر فتنہ و شر کے
بنتا ہیں اگر دائرہ، پرکار ہیں چمچے

فتنے جو پلا کرتے ہیں آقاؤں کے دل میں
اُن کے عملاً معنی و اظہار ہیں چمچے

کر دیتے ہیں بھنگ اہلِ مخالف کی سبھا کو
اربابِ سیاست کے وہ ہتھیار ہیں چمچے

بالو کو بھی منھ دیں تو نکل آتا ہے مکھن
وہ پردہ در و واقفِ اسرار ہیں پیچھے

جنتا کی لنگوٹی بھی تصرف میں ہے انکے
ہنستے ہوئے ٹھگ رہزنِ ہشیار ہیں پیچھے

وِہسکی کے ڈبل پیگ تو پیئیں انکے خداوند
بوتل ہی فقط دیکھ کے سرشار ہیں پیچھے

لیلیٰ پہ ہوا ہوگا نہ مجنوں بھی فدا یوں
جس طرح وزیروں کے پرستار ہیں پیچھے

نکلیں جو ٹہلنے کو دمِ صبح وہ حضرات
ہمراہ اِدھر چار اُدھر چار ہیں پیچھے

وہ بیتِ خلا میں ہوں کہ ٹیبل پہ ڈنر کے
لوٹا لئے در پر کھڑے نیتا رہیں پیچھے

کنٹرول

اجارہ وار قوم کے معاشرہ کے ٹھیکیدار
برہنگی و بھوک کا جھگڑا سکے نہ جب نجار

عوام کو مغالطے میں ڈالنے کے واسطے
خود اپنی گرتی پگڑیاں اچھالنے کے واسطے

یہ ڈھول پیٹنے لگے کہ برتھ پر ہو کنٹرول
اور اس طرح سے رفتہ رفتہ ڈرتھ پر ہو کنٹرول

کہ برتھ کنٹرول ہی مرض کا ہے فقط علاج
اسی دوا سے ہو گا کم گرسنگی کا اختلاج

تبھی سے کنٹرول کی بنا پڑی سماج میں
تبھی سے اس کو جا ملی عوام کے مزاج میں

وہ ابتدا تھی اور اب پہونچ گئی یہ انتہا
کہ ہر قدم پہ مورچہ کھڑا ہے کنٹرول کا

حیات رقص کر رہی ہے آج اسکی تال پر
مدبّروں کو وجد آرہا ہے اپنی چال پر

ضروریات زندگی ہیں جس قدر جہان میں
لگا ہوا ہے کنٹرول ایک ایک کی جان میں

نہیں ہیں کنٹرول میں بذات خود برائیاں
مگر وہ ٹھگ کہ جن کے ہاتھ میں ہے اسکی ریسماں

بنا رہے ہیں کنٹرول کو ہوس کی بازی گاہ
اسے سمجھ رہے ہیں وہ حصول زر کی شاہراہ

بھری پڑی ہیں چار سو منافع خور منڈیاں — تہہ زمیں اناج کی گڑی ہوئی ہیں ڈھیریاں
مگر غذا پہ کنٹرول ہے عوام کے لئے — اگرچہ کنٹرول بھی فقط ہے نام کے لئے
غذا کے کنٹرول سے اگر ہے کوئی مستفید — کسی کے حق میں احتساب ہے، اگر نوید عید
تو آج کل ہے وہ فقط بلیک مارکیٹیئر — کہ خون سے عوام کے جو کر رہا ہے کسبِ زر
سیاہ منڈیوں کی آب و تاب ہے عروج پر — بلیک مارکٹ کا آفتاب ہے عروج پر
بلیک مارکٹ ہے کنٹرول کی سگی بہن — سرشت میں ہے فرق کچھ مگر ہیں دونوں بدچلن
بساطِ حرص ایک ہے تو ایک منزلِ ہوس — ہے ایک مہتمم تو ایک میرِ محفلِ ہوس
یہ شاندار موٹریں یہ دیدہ زیب گاڑیاں — جو شاہ راہِ عام پر ہیں چار سُو رواں دواں
یہ دل فریب کوٹھیاں یہ خوش نما عمارتیں — بڑھا رہی ہیں شہر کی جو چار چاند رونقیں
بلیک مارکیٹیئر کو کنٹرول سے ملیں — برہنگی کے بھوک کے بلیک مال سے ملیں
جہاں پہ کنٹرول کی تھی احتیاج واقعی — مدبرانِ وقت کی وہاں نظر نہ جا سکی

ادب پہ کنٹرول ہے زباں پہ کنٹرول ہے
سخن پہ کنٹرول ہے بیاں پہ کنٹرول ہے

ہر اک پہ کنٹرول ہے ہر اک پہ احتساب ہے — خیال پر ہے قید و بند فکر پر عتاب ہے
زباں سے ترجمانیاں نہ ہوں مشاہدات کی — سخن نہ کر سکے مصوری رخِ حیات کی
فساد و فرقہ پروری پہ ہو سکا نہ کنٹرول — سماج کی اس ابتری پہ ہو سکا نہ کنٹرول

تعصبات کی نظر منافرت کی بجلیاں — جلا رہی ہیں زندگی کی سبز سبز کھیتیاں
ابھی بھی عقل دشمنی پہ ہو سکا نہ کنٹرول — جہالت عوام کا ابھی بھی پیٹ رہا ہے ڈھول
خرد کی خام کاریاں جنوں کی چیرہ دستیاں — ابھی بھی فکر و ہوش پر جا رہی ہیں بدلیاں

جہاں پہ کنٹرول کی تھی احتیاج واقعی
مدبران وقت کی وہاں نظر نہ جا سکی

●

بلیک مارکِٹ

تمام جب ہوئی جنگِ عظیم کی محفل
بقدرِ ظرف ہر اک قوم کو ملا لڈّو

کسی نے چشمۂ حیواں کو پا لیا بڑھ کر
کسی کے حصّے میں آیا سراب اور بالو

کسی نے ایٹمی دولت پہ ہاتھ صاف کیا
کسی نے برق کی طاقت پہ پا لیا قابو

کسی کے دستِ تجسّس نے کیمیا پایا
کسی نے بھر لیا حکمت کے موتیوں سے کدو

ہماری قوم نے پھیلا کے دونوں ہاتھ لیئے
فساد و فرقہ پرستی کے سانپ اور بچھو

جلو میں ان کے چلی آئی چور بازاری
بغل میں داب ہوئے حرص و آز کے چاقو

اور اس نے جیب غریبوں کی یوں کتر ڈالی
ہرے درخت میں لگ جائے جس طرح پلّو

ضمیرِ قوم میں یہ روگ یوں سمایا ہے
رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے جس طرح سے لہو

یہ پوسٹ وار ترقّی کا ہے زچہ خانہ
جہاں پہ ہوتے ہیں پیدا سماج کے ڈاکو

یہ ہے تمدنِ حاضر کی اک نئی کروٹ
یہ ہے تجارتِ انسانیت کا اک پہلو

ڈکیتیوں کی کھلی ایک شاہراہ نئی
ٹھگوں کو مل گیا اک اور قوتِ بازو

ہمالیہ کو نگل جائیں اور ڈکار نہ لیں
یہ کالے چور ہیں ایسے ہی راکھشش بیٹو

یہ کالے چور نہیں، ہیں عوام کے قاتل
نکل رہی ہے تنفس سے جن کے خون کی بو

صفائی کرتے ہیں جنسِ حیات کی یوں ہی
پھرے دیہات میں جیسے بلیگ کی جھاڑو

ہر ایک چیز کی قیمت بڑھا کے چوگونہ
نچوڑ لیتے ہیں مُردوں کے جسم سے بھی لہو

مجال کیا جو گذر جائے ان سے بچ کے کوئی
ہر ایک موڑ پہ بیٹھے ہوئے ہیں یہ ڈاکو

بھلا عوام کی ہستی ہے ان کے آگے کیا
حکومتوں کو بنائیں جو رات دن بدھو

کبھی سمینٹ کبھی آئرن کا راکٹ ہے
کبھی شکر کا ہے ہاتھوں میں خوش مزہ لڈو

بڑے بڑوں کو بھی تسخیر کر لیا جس نے
بلیک مارکٹنگ آج کل ہے وہ جادو

بلیک مارکٹیئر

لگی ہیں آدمی کے ساتھ آفتیں ہزارہا
طرح طرح کا روگ ہے طرح طرح کی ہے وبا

ہلاکت آفریں مرض قدم قدم پہ ساتھ ہیں
کبھی یہاں ڈِسنٹری کبھی وہاں ملیریا

کہیں "بری بری" کہیں پہ ہارٹ فیلیور ہے
مونگیر میں پلیگ ہے تو رام گڈھ میں کالرا

مگر ہر اک ڈزیز کا علاج بھی ضرور ہے
طرح طرح کے روگ ہیں طرح طرح کی ہے دوا

اگر کوئی دوا نہیں تو صرف ایک روگ کی
وہ روگ جس میں آج کل ہے ساری قوم مبتلا

وہ روگ جس نے زندگی سے چھین لیں لطافتیں
وہ روگ جس کے زہر نے سماج کو گھلا دیا

بلیک مارکٹ میں جنم لے رہا ہے وہ مرض
منافع خور منڈیوں میں پل رہی ہے وہ وبا

بلیک مارکیٹیئر ہے اس مرض کا عرفِ عام
یہ وہ مرض ہے جس سے مات ایشیائی کالرا

وزارتوں کے اسپتال چت ہیں اسکے سامنے
حکومتوں کے ڈاکٹر نہ کر سکے مقابلہ

اسمبلی کی گولیاں بھی کارگر نہ ہو سکیں
بلوں کی پنسلین بھی اثر نہ کر سکی ذرا

مقدمات و جیل کے سفوف بھی نہ چل سکے
خراب ہی اثر پڑا ججوں کے نسخہ جات کا

بلیک مارکیٹیر وہ "کنجس ڈیزیز" ہے
کہ خود مرض کے ماہرین ہیں مرض میں مبتلا

کبھی وہ ہسپتال میں بدل کے ڈاکٹر کا بھیس
مریض سے وصولتا ہے اپنی فیس چوگنا

کبھی وہ کارخانہ دار کے حریم شوق میں
جلا رہا ہے دم بہ دم چراغ حرص و آز کا

جفا کشوں کے خون میں بھگو کے لقمۂ ہوس
کھلا رہا ہے مالکانِ مل کو خوانِ خوش مزا

کبھی سڑا کے بوریاں ہزاروں من اناج کی
دکھا رہا ہے قوم کو برہنہ رقص بھوک کا

منافع خور منڈیوں میں بھیج کر اناج کو
بناوٹی اکال کا کبھی مظاہرہ کیا

بلیک مارکیٹیر غرض وہ زہر تیز ہے
دوا کی ساری طاقتیں ہیں جن کے سامنے ہوا

بلیک مارکیٹیر وہ زہر ہے وہ قہر ہے
اثر سے جس کے مضمحل ہے آج روح ارتقا

ضمیر کی بلندیوں سے گر پڑی ہے زندگی
خموش دم بخود کھڑا ہے کارواں حیات کا

طبیب وقت سرنگوں ہے اپنی ہار مان کر
مریضِ قوم کشمکش میں موت کی ہے مبتلا

پیروی

کہتے ہیں نکتہ دان رواباتِ ارتقا — ہے پیروی کے دور کی دنیا میں ابتدا
پچھلے حصول کار کے اقدار مٹ گئے — انصاف و راستی کے جو مہرے تھے پٹ گئے

یہ ہر طرف جو آج کرپشن کی دھوم ہے — مبدائے فیض پیروی ہی بالعموم ہے
ہر خاص و عام آج اسی کا شکار ہے — ہر دل اسی کے فیض سے باغ و بہار ہے
جادو اسی کا آج زمانے پہ چل گیا — سوکھا شجر بھی اس کی عنایت سے پھل گیا

ہر ہر قدم حیات کا میدانِ جنگ ہے — اور پیروی کا اسلحہ سامانِ جنگ ہے
تعلیم گاہ شہر میں لڑکوں کا داخلہ — بے پیروی کے آج ہے دشوار مرحلہ

جب تک کسی وزیر کا خط لے نہ جائیے — ہیڈ ماسٹر کے روم میں گھسنے نہ پائیے

سالانہ امتحان ہوا اس طرف تمام — یاں باپ کے سپرد ہوا پیروی کا کام
جب ممتحن کے پاس وہ دوڑے پچاس بار — تب جا کے نورِ چشم کا بیڑا کہیں ہوا پار

چھوٹی ہو یا بڑی ہو کوئی بھی ہو نوکری — ناممکن الحصول ہے جز دستِ پیروی

ملتا ہے ووٹ پیروی سے لیمپ پوسٹ کو
چُنتی ہے قوم اپنا نمائندہ گھوسٹ کو

چلتی ہے پیروی سے تجارت بھی آجکل
ملتی ہے پیروی سے وزارت بھی آجکل

سر پر گدھوں کے سینگ جماتی ہے پیروی
جاہل کو فخرِ قوم بناتی ہے پیروی

لوہے کو نرم کرتی ہے تھوڑی سی پیروی
مُٹھی کو گرم کرتی ہے تھوڑی سی پیروی

سچ کو سفید جھوٹ بناتی ہے پیروی
دن کو سیاہ رات دکھاتی ہے پیروی

معشوق کا غرور کچلتی ہے پیروی
عاشق کا غم خوشی میں بدلتی ہے پیروی

المختصر زمانے پہ ثابت ہوئی یہ بات
مرہونِ پیروی ہے ہر اک گام پر حیات

وہ ناؤ بھی سوار بھی اور ناخدا بھی ہے
نسخہ بھی ہے دوا بھی ہے دارالشفا بھی ہے

جشنِ شاعر

[چند اربابِ سیاست نے اپنے نام و نمود کی خاطر ایک مشہور شاعر کا جشن منایا۔ اخبارات اور بڑے بڑے پوسٹروں کے ذریعہ خوب خوب پبلسٹی کی گئی اور یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی گئی کہ ایسا عظیم الشان جشن کسی شاعر کا نہ اب تک منعقد ہوا ہے اور نہ آئندہ منعقد ہو سکے گا۔ مشاعرہ میں کشمیر سے راس کماری تک کے شعراء کی شرکت کا بھی اعلان ہوا۔ لیکن ساری باتیں محض کاغذی رہیں، البتہ چندے کے ذریعہ اچھی خاصی رقم بٹوری گئی]

سارا پروپگینڈا تحلیل ہو گیا
شاعر کا جشن عُرس میں تبدیل ہو گیا

دیکھا سبھوں نے اہلِ سیاست کا شعبدہ
شہباز، قد میں گھٹ کے، ابابیل ہو گیا

نذرانۂ کشیر کے ملنے کی تھی خبر
لیکن وہ سوختۂ درِ مدِّ تاویل ہو گیا

تھا انتظام ہاتھ میں اہلِ جدید کے
ابلاغِ جشن کشتۂ ترسیل ہو گیا

ایسا کبھی ہوا نہ تھا مُضحک پروگرام
سارا ہی شو، مزاحیہ تمثیل ہو گیا

بدانتظامیوں کی بدولت مشاعرہ — ہوٹنگ اور شور میں تبدیل ہوگیا
جب شاعروں نے فیس طلب کی تو منتظم — چپکے سے اُٹھ کے بھیڑ میں تحلیل ہوگیا
مہمان شاعروں کو غذا تک نہ مل سکی — معدہ اکڑ کے بھوک کی زنبیل ہوگیا
ڈائس پہ بے نواؤں نے کاٹی شبِ فراق — دل سب کا وقفِ توبہ و تہلیل ہوگیا
آخر سحر ہوئی تو کُھلا رستۂ نجات — ماحولِ یاس، امید میں تبدیل ہوگیا
دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھوڑی رقم ملی — وعدہ جو تھا وہ کشتۂ تقلیل ہوگیا
یہ بات شاعروں کے لئے کچھ نئی نہ تھی — دل میں جو تھا ملال وہ تحلیل ہوگیا
بعد اس فضیحتی کے گروہِ سخن وراں — گھر کے لئے روانہ بہ تعجیل ہوگیا

اک شاعرِ عظیم کی شہرت کو بیچ کر
سارا منافع داخلِ تحویل ہوگیا

(۱۹۷۵ء)

منظوم خطوط

بنام

دلاور فگار

شوق سے پھر ڈاک بھیجیے

"قومی آواز" لکھنؤ کے ایک شمارہ میں دلاور فگار کی نظم ــ ہند کو پھر ڈاک بھیجئے ــ نظر سے گذری اور بے حد پسند آئی ۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان مفاہمت کی راہ ہموار ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں ڈاک تار پر بندش ختم ہو چکی ہے ۔ دلاور فگار کی نظم کی پیدا کردہ خوش گوار فضا کو برقرار رکھنے کے لئے میں نے بھی یہ چند اشعار لکھے ۔

بھائی فگار شوق سے پھر ڈاک بھیجیے ۔۔۔ جی کھول کے مزاح کا اسٹاک بھیجیے

ہڑتال کر رہے ہیں یہاں نرس و ڈاکٹر ۔۔۔ ہرگز ابھی نہ سینۂ صد چاک بھیجیے

نزلے میں کیجئے نہ ہمیں خود بھی مبتلا ۔۔۔ بہرِ خدا نہ دیدۂ نمناک بھیجیے

ہر تحفۂ خلوص ہمیں دل سے ہے قبول ۔۔۔ گوبھی کے پھول بھیجیے یا ڈھاک بھیجیے

جب بھیجنے پہ آپ مصر ہیں تو مہرباں ۔۔۔ اشیائے درجِ ذیل بھی از پاک بھیجیے

ٹوتھ پیسٹ آج کل ہے ہمارے یہاں گراں ۔۔۔ رستہ کھلے تو نیم کی مسواک بھیجیے

آزاد اور سحر کی جو خاطر عزیز ہے ۔۔۔ ارضِ چمن سے ان کے لئے ناک بھیجیے

بیکلؔ کو اب پسند نہیں دُھن تُکیشؔ کی   مہدیؔ حسن کے گانوں کا اسٹاک بھیجیے

اک وفد شاعروں کا قیادت میں جوشؔ کی   سردارؔ جعفری سے پئے تاک، بھیجیے

فاروقیؔ و عمیقؔ سے کہا جائے گا وہ مات   نقاد اُدھر سے لاکھ خطرناک بھیجیے

ساتھ اپنے کچھ مزاح نگاروں کو لائیے   چھت توڑ قہقہے سوئے افلاک بھیجیے

آنکھیں ترس رہی ہیں رسالوں کی دید کو   اربابِ ذوق کے لئے خوراک بھیجیے

یعنی نقوشؔ و ساقیؔ و اوراقؔ و سیپؔ کو   بوروں میں بھر کے ٹھاک پیش تھاک بھیجیے

سو فی صد آپ سے ہیں یہاں ہم بھی متفق   "ایسی خبر، نہ ہو جو المناک بھیجیے

واہیؔ کی دست بستہ گذارش ہے آپ سے   "ادراک کے جواب میں ادراک بھیجیے

جب دوستی کا ہاتھ بڑھا ہے تو اب نہ پھر
اس پیش رفت کو سوئے ڈیڈلاک بھیجیے

●

حکیم غبارؔ بھٹی

میرے موجودہ معالج حکیم مشتاق احمد خاں، ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ غبارؔ بھٹی تخلص فرماتے ہیں۔ میرے لڑکے اور بچی کی تقریباتِ شادی کے موقع پر انھوں نے اس سبب سے شرکت نہیں کی کہ اُن دنوں ماءُ اللحم کی تیاری میں مصروف تھے۔ دعوت نامہ کے جواب میں انھوں نے ایک مصرع لکھ کر بھیج دیا اور مجھ سے اس پہ کچھ لکھنے کی فرمائش کر دی۔ مصرع تھا ع "اُن کو دیکھا مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں"۔ حکم کی تعمیل میں، مَیں نے درج ذیل چند اشعار لکھ بھیجے اور اس کے بعد "ماءُ اللحم" کے عنوان سے ایک نظم بھی لکھ بھیجی تاکہ ماءُ اللحم کے شوقین حضرات، غبارؔ بھٹی صاحب کے مشروب کا ذائقہ چکھیں اور اپنا بھلا کریں۔

اپنے بیمار کا حال آپ نے پوچھا ہی نہیں
ہم نے ایسا تو معالج کوئی دیکھا ہی نہیں

اور تو اور، نہ آئے کسی تقریب میں بھی
سخت رنجش ہے کوئی عام سا شکوا ہی نہیں

یہ بھی سن لیجیے، اس طرزِ تغافل کے سبب
گھر کے سب لوگ ہیں رنجیدہ فقط وا ہی نہیں

آئے رضوان[1] بجا، اُن کا ہے احسان، مگر
آپ دونوں میں کسی طرح کی تُلنا ہی نہیں

اپنی مصروفیتِ کار میں اُلجھا تھا مَیں
"اُن کو دیکھا مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں"

شادیاں دو تھیں، کسی ایک میں شرکت کرتے
میری دلجوئی کا کچھ دھیان مگر تھا ہی نہیں

لیجیے، آپ کے مصرع پہ لکھے چند اشعار
ذہن میں حکم کی تعمیل تھی، شکوا ہی نہیں

[1] حکیم صاحب کے لڑکے

حکیم غبار بھٹی

ماءاللحم

الا یا ایہا الساقی طبیعت پھر ہوئی بوجھل — عنایت کر مجھے بھی ایک ماء اللحم کی بوتل
وہ ماء اللحم خاص الخاص جس کا نسخۂ اوّل — مرتّب کر گئے تھے مدّتوں پہلے حکیم اجمل
وہ ماء اللحم جو نسلی دواؤں سے مبرّا تھا — سبھی اجزائے ترکیبی تھے جس کے افضل و اکمل
جسے کھایا تھا گاندھی جی نے تحریکِ خلافت میں — بپا کر دی تھی اس کے بعد سارے ملک میں ہلچل
وہ ماء اللحم جس کے فیض سے ان کی لنگوٹی نے — نکالا مانچسٹر کے بِلے پتلون کا کس بل
اُسی نسخے کو پنڈت جی بھی استعمال کرتے تھے — اسی کے زور پر لڑتے تھے وہ انگریز سے دنگل
وہی سینہ بہ سینہ آپ کی تحویل تک پہنچا — تصوّر سے اسی نسخے کے میرے دل میں ہے ہلچل
اُسی نسخے کے استعمال کے رنگیں خیالوں سے — ہوئی روشن مرے اعصاب میں اُمید کی مشعل
اُسی نسخے کی تیاری پہ منگوائے گئے ہوں گے — بنارس سے کبوتر اور ہزاری باغ سے ہریل
مدد کی ہو گی جسے پرکاش جی کے خاص چیلوں نے — جڑی بوٹی کی خاطر جب گیا ہو گا کوئی جنگل

شکاری کوہ پیماؤں نے تبت کے پہاڑوں کے
بڑی مشکل سے پایا ہوگا مشکِ نافۂ ختنیل

مجھے میرے وطن سے سنترے، کیلے ملے ہونگے
منگایا ہوگا سیتاپور کے باغوں سے سیتاپھل

جنابِ شیخ عبداللہ نے بھجوا دیئے ہوں گے
تر و تازہ انار و سیب از باغاتِ حضرت بل

مہیا کر کے کُل اجزائے ترکیبی کو حضرت نے
کیا ہوگا بڑی محنت سے خالص انگبیں میں حل

پھر اس کے بعد محلولہ کو رکھ کر نرم آنچوں پر
ظروفِ خاص میں اُٹھوائے ہوں گے بھاپ کے بادل

وہی بادل پگھل کر قطرہ قطرہ اک فراپے میں
بنا ہوگا جوابِ ترجمانِ نسخۂ اجمل

دعا دوں گا، اسی مشروب کا آدھا غنایت ہو
اگر حصّے میں میرے آ نہ سکتی ہو بھری بوتل

(دسمبر ۱۹۷۴ء)

صلاح الدین نیّر

(حیدرآباد)

زاویۂ نگاہ

میرے عزیز دوست صلاح الدین نیّر نے "محفلِ خواتین" حیدرآباد کی جانب سے شائع شدہ مجلّہ "غزلوں کی رات" بھیجتے ہوئے یہ فرمائش کی تھی کہ میں اس حسین و جمیل کتاب پر اپنی رائے لکھ کر بھیج دوں۔ درج ذیل منظوم مکتوب اسی فرمائش کی تکمیل ہے۔ اتفاق سے اس خط میں ان تمام خواتین کے نام مصرعوں میں آگئے ہیں جن کی تخلیقات اس مجلّے میں شامل ہیں۔

میرے عزیز نیّر تابندۂ سخن — کل جنّتِ نگاہ بنا تحفۂ دکن
ہر صفحۂ کتاب ہے اک تازہ گلستاں — "غزلوں کی رات" ہے کہ غزالوں کی انجمن
عظمت، جمیلہ، شاہدہ و اشرف و صبا — غزلوں کے روپ میں ہیں کھلائے ہوئے چمن
بانو، سعید و سوز و ثریا و فاطمہ — سب اپنے اپنے رنگ میں ہیں نازشِ سخن
عذرا، سحر، زبیدہ، للیتا و عائشہ — نکھری ہوئی ہیں صورتِ نسرین و نسترن

نایاب و ناز و طیبہ، خورشید اور قمر
ہیں کہکشاں کی طرح ضیا بار و ضو فگن

روڈا، نیشرہ اور سلیم، اختر و رفیع
ذوق نظر سے جن کے کھلے ہیں گل و سمن

جیلانی بانو، ساجدہ و فاطمہ علی
اردو زباں میں جن کی بدولت ہے بانکپن

سلطانہ اور فریدہ، انیس اور صالحہ
نثری محاذ پر ہیں لئے پرچم دکن

عابد[1] ہوں جس چمن کے محافظ، وہاں نہ کیوں
پائے فروغ شعر و ادب علم و فکر و فن

ہر پھول کھل کے روکش فصل بہار ہو
واہی کی ہے دعا کہ پھلے پھولے یہ چمن

[1] عابد علی خاں مدیر اعلیٰ "سیاست" حیدرآباد

حاجی ڈاکٹر عزیز تمنائی (مدراس)

بے اعتنائیوں کی بھی کچھ حد ہے محترم
کب تک زباں پہ حرفِ شکایت نہ لائیں ہم

مدّت سے آپ مُہر بہ لب ہیں۔ خطا معاف
مکّہ سے آکے۔ پیروئِ شیوۂ صنم؟

آخر سُنیں تو ہم بھی کہ اپنی خطا ہے کیا
یہ کیوں ہے دفعتاً نگہِ التفات کم

شاید نیاز مند سے اب اجتناب ہے
ہوتا ہے احتمال یہی دل کو دم بہ دم

خط کا جواب دینے کی مہلت نہ مل سکے
اتنی بھی سخت تو نہیں پابندیِ حرم

چھ ماہ پر بھی لکھ نہ سکیں ایک پوسٹ کارڈ
ایسا بھی سُست رَو تو نہیں آپ کا قلم

●

پرکاش فکری (رانچی)

ناقابلِ برداشت ہے اے حضرتِ فکری
یہ آپ کی بے وجہ پراسرار خموشی

کیا میری کسی بات سے رنجش ہوئی پیدا
رنجش کا ہوا کرتی ہے اظہار خموشی

یہ بات اگر ہے تو معافی کا ہوں طالب
اب توڑ بھی دیجے یہ گراں بار خموشی

احباب میں اس طرح کا رشتہ نہیں ہوتا
ہے روکشِ رسم و رہ اغیار خموشی

اخلاص کے ماروں کو بنا کر خفقانی
وسواس میں کرتی ہے گرفتار خموشی
تسلیم، کہ میں نے بھی کوئی خط نہیں لکھا
توڑی نہیں کیوں آپ نے سرکار خموشی

•

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی (علی گڑھ)

خلیل صاحب بہت دنوں سے رکی ہوئی ہے خط و کتابت
کچھ اس میں میرا قصور بھی ہے، کچھ آپ سے بھی ہوئی ہے غفلت
قدیم ہو یا جدید کوئی بھی عہد نامہ ہو اس میں لیکن
نہیں ہے اس کی کہیں ہدایت کہ ترک ہو رسم و راہِ اُلفت
تعلقاتِ قدیم کو یوں جدید بن کر نہ ختم کیجیے
کبھی تو خط خیریت کا لکھئے کبھی تو دیجیے قلم کو زحمت
وہ آپ کے دوست خان صاحب بھی گم ہیں صحرائے ذات میں یوں
کہ اب تو ان کا پتہ لگانے میں سی۔ بی۔ آئی کو بھی ہو دقت
لگی ہے ہاتھوں میں جب سے مہندی چھپی بچارے کی شہر یاری
ہیں قید، لچھمن حصار میں وہ نہیں ہے اگلی سی اب فراغت

سنا ہے کوئی نیا رسالہ نکالنے میں لگے ہوئے ہیں
کرم ہو ان کا اگر وہ پرچہ مجھے بھی بھیجیں برائے زیارت

یہاں کے حالات معتدل ہیں سنائیے آپ حال اپنا
سمر ویکیشن تو ہو گیا ہے کہاں گذاریں گے وقتِ فرصت

ادب میں بھی کیا گھریلو منصوبہ بندیوں کے ہیں آپ قائل
بہت دنوں سے نہیں ہوئی ہے کلامِ تازہ کی کیوں اشاعت

اب اور کتنے دنوں رہیں گے وطن سے باہر سرورؔ صاحب
ملے جو موقع تو میری جانب سے ان کو لکھئے سلام و رحمت

جناب مسعود سے بھی میرا سلام و آداب عرض کیجئے
کہ ان کی یادوں سے منسلک ہے دکن کی اک خوشگوار صحبت

۱۳ مئی ۱۹۷۰ء

●

ڈاکٹر سیّد محمّد عقیل

(شعبۂ اُردو ، الہ آباد یونی ورسٹی)

مدت سے کیوں خموش ہیں اے حضرتِ عقیلؔ
کیوں آجکل ہے خط و کتابت میں اتنی ڈھیل

ایسا بھی کیا کہ لکھ نہ سکیں حرفِ خیریت
کہتا ہوں کب کہ نامۂ اخلاص ہو طویل

اک دوسرے کے حال کی کیونکر خبر ملے
خط کے علاوہ اور ہے کیا دوسری سبیل

ملتا ہے خط سے نصف ملاقات کا مزہ
خط سے شکستہ ہوتی ہے دوری کی ہر فصیل

یہ خامشی تو مسلکِ اہلِ جدید ہے
فن حسن کا نارسائیِ ترسیل کا قتیل

رہتے ہیں گم جو اپنے ہی زندانِ ذات میں
سرمایۂ شعور ہے جن کا بہت قلیل

شامل ہوئے ہیں آپ بھی کیا اس گروہ میں
اس ذہنیت کے آپ بھی کیا بن گئے وکیل

ہرگز یقین کرنے کو جی چاہتا نہیں
ان کا اثر قبول کرے آپ سا عقیل؟

جب لب پہ ذکر آ گیا اہلِ جدید کا
کچھ ان کے نام پر بھی چلے بات کی سبیل

درگت بنی مصنف "جبرِ ثقیل" کی
دیکھی تو ہو گی ہو رہی ہیں ان کی قال و قیل

چوزہ غریب اپنے پروں میں سمٹ گیا
جھپٹا اٹھا کے چونچ جو اک مرغِ اصیل

چنگل میں اس طرح سے دبوچا ہے آپ نے
بس پھڑپھڑا کے رہ گئی ان کی ہر اک دلیل

سرخیلِ چوزہ گان بھی گئے تھے پئے مدد
بیچارے کا اثاثہ ہوا جب نہ خود کفیل

لیکن شکست فاش لکھی تھی نصیب میں
کمزور تھا مقدمہ چت ہو گئے وکیل

سرمایۂ غرور لٹا بیچ کھیت میں
دونوں کا منہ لٹک کے بنا نقشِ مستطیل

بین السطور دوسری افتاد آ پڑی
جب گنجِ سوختہ پہ ہوا تبصرہ ثقیل

مجموعۂ کلام کو واسوخت کہہ دیا
دے کر کمار پاشی نے اپنے قلم کو ڈھیل

ردّہ حسن نعیم نے بھی کس کے رکھ دیا
تقدیرِ سوختہ پہ لگائی اک اور سیل

باقی بچا نہ کچھ بھی بہ جز تودۂ غبار
آئی ہوا کی زد میں جو بھی ریت کی فصیل

عینک لگا لگا کے محدّب گلاس کی
خرگوش کو جو لوگ سمجھنے لگے تھے فیل

حیرت سے دیکھنے لگے سرخیل کی طرف
آئی نظر کے سامنے جب اصلیت کی ریل

لیجے کہاں سے بات چلی اور کہاں گئی
باتیں ہیں ناتمام یہ خط ہو گیا طویل

گھر پر پڑا ہوا ہوں کہ ہولی کا دن ہے آج
سوچا کہ نکلے وقت گذاری کی کچھ سبیل

تنگیِ قافیہ نے کیا خوب خوب تنگ
ہر اک قدم پہ لا کے کھڑی کر دی اک فصیل

لیکن قلم کی زد میں چلا آیا ہر خیال
مانا کہ بعض شعر کی بندش ہے کچھ ثقیل

کس حال میں ہیں حضرتِ اعجاز و احتشام
ان سے ملے گذر گیا اک عرصۂ طویل

میرا سلام دونوں کو پہنچایئے ضرور
بن کر مرے گماشتہ، مختار یا وکیل

خط کا جواب دیجیے اور جلد دیجیے
اس باب میں نہ بنیئے خدا کے لیے بخیل

اب آ رہی ہے مجھ کو جماہی پسِ غذا
اُکتائے ہونگے آپ بھی اے حضرتِ عقیل

لیجے تمام کرتا ہوں یہ نامہ۔ والسّلام
اب ہو رہی ہے نیند مرے ذہن میں دخیل

۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء

●

مجتبیٰ حسین

واللہ تم بھی خوب ہو اے یارِ مجتبیٰ
خط کا مرے جواب ابھی تک نہیں دیا

تم مصطفیٰ کمال، نہ پوتم کے ہو مدیر
نیّر کی طرح عشق میں بھی ہو نہ مبتلا

یوسف حسین خاں کا مرض بھی نہیں تمھیں
احمد ہمیش سے بھی الگ ہی ہے راستہ

فضلِ خدا سے بیگم و اولاد والے ہو
پھر یہ ادائے ناز ہے کیوں، ماجرا ہے کیا

خط کا جواب دے کے صفائی ضرور دو — ورنہ لگا رہے گا مرے دل کو وسوسہ
کل شام اتفاق سے اک دوست کے یہاں — مدت کے بعد دیکھنے کو مل گیا صبا
یوں تو یہ ماہنامہ بہ ہر رنگ و اعتبار — خوش ذوقیِ اریب کا مظہر رہا سدا
پیشِ نظر شمارہ مگر ہے بہت وقیع — اک ایک چیز پڑھ کے یہ ناچیز خوش ہوا
نظم و غزل، فسانے، مضامین، تبصرے — یوں تو سبھی ہیں اپنی جگہ خوب و لطف زا
ٹیڈی بوائے کی ہے مگر شان ہی کچھ اور — پڑھتے ہی دل پکار اٹھا واہ، مرحبا
یوسف حسین خان کی تصویر یہ کھینچ کر — تم نے نشاں بلند کیا اپنے آرٹ کا
ہنستے ہنساتے راز سبھی فاش کر دیئے — کہتے ہیں اس کو خاکہ نگاری کا معجزا
اس درجہ خوش ہوا ہوں کہ در عالمِ خیال — کتنی ہی بار تم کو گلے سے لگا لیا
یہ تو بتاؤ سن کے یہ مضمونِ لاجواب — یوسف حسین خان کا رد عمل تھا کیا
افسوس ہے کہ ان کی زیارت نہ ہو سکی — مضمون پڑھ کے ملنے کو جی چاہنے لگا
اب عرض ہے کہ رکھ کے "تکلف کو برطرف" — اپنی کتاب بھیج دو بہرِ مطالعہ
اور اس کے ساتھ چند تصاویر بھی ضرور — جن کا گزشتہ خط میں کیا تھا مطالبہ
اب تک نہ پہنچا، نشتر و مرہم کا پارسل — کہہ دو ضرور ان سے جو مل جائیں مصطفیٰ

لو فی البدیہہ لکھ گیا مہمل سا ایک خط
تنقید کی نگاہ سے اس کو نہ دیکھنا

●

۸ر اپریل ۱۹۶۸ء

پروفیسر اختر قادری

(صدر شعبۂ اردو و فارسی، بہار یونی ورسٹی)

بھائی اختر قادری واللہ تم بھی خوب ہو
ہے طبیعت میں کبھی خشکی کبھی مرطوب ہو

ہے کبھی لطف و عنایت اور کبھی پیہم ستم
اپنے رنگِ دلبری میں صاحب اسلوب ہو

یہ ادائے بے نیازی، یہ جفائے خامشی
حیف ہے اسکی طلب پر جسکے تم مطلوب ہو

جا کے کس گوشے میں سر اپنا چھپائے اعتبار
آسرا دار تغافل پر جو یوں مصلوب ہو

تم میں کب سے آگئی ہے یہ قلوپطرائیت
یعنی جو چاہے تمھیں وہ لازماً معتوب ہو

کیوں نہ تم سے ہجویہ انداز میں باتیں کروں
ڈسٹ بن کی نذر جب میرا ہر اک مکتوب ہو

چاہنے والے کو بھی دیتے نہیں خط کا جواب
ڈر ہے بھائی جان کے کیا اس قدر مغلوب ہو

یہ بھی کوئی بات ہے جب سے ڈھلی دو ماہ سے
اور اس پر بھی نہ مطلق نادم و محجوب ہو

خاص نمبر ساغرِ نو کا نکلنے ہی کو ہے
ہے یہ کوشش ہر جہت سے یہ شمارہ خوب ہو

پیشگی چندے کا وعدہ جب نہ ایفا ہو مگر
کیا کرے پھر وہ جسے امداد کچھ مطلوب ہو

بیٹھے بیٹھے نامۂ منظوم برجستہ لکھا
مدعا تھا عرضِ مطلب خوب یا ناخوب ہو

ایضاً

ہاتھ میں مہندی لگائے منہ میں ڈالے گھُنگھنیاں
کب تک اس انداز سے بیٹھے رہو گے میری جاں

چاہنے والے کو خط لکھنے میں شرماتے ہو کیا
یا قلم کے بوجھ سے دُکھتی ہیں نازک انگلیاں

تم نے اک وعدہ خلافی کی تو اس سے کیا ہوا
وہ تو ہے منجملۂ نازو ادائے دلبراں

ہاں مگر اس تجربے کے بعد یہ واضح ہوا
تم بنود انند جھا سے کم نہیں ہو میری جاں

مشورہ مانو مرا اگر لو جوائن کانگریس
خوب چل نکلے گی پھر تو سبز وعدوں کی دُکاں

خیر یہ تو چھیڑ خوباں سے چلے کی بات تھی
اب یہ فرماؤ کہ اک مدت سے غائب ہو کہاں

پیشگی چندے کی جب تک تم نہ بھیجو گے رقم
مَیں نہ چھوڑوں گا تمھیں یہ یاد رکھو مہرباں

باہمی امداد ہی سے چل رہا ہے کام سب
مخلصوں ہی کے سہارے بڑھ رہا ہے کارواں

ایسے عالم میں نہ لو تم سست رفتاری سے کام
ہیں تمھارے سر پہ بھی نمبر کی ذمہ داریاں

ایک شاعر، اک ایڈیٹر، ایک افسانہ نگار
اب بھی پیدا کر رہے ہیں راہ میں دشواریاں

شاعرِ اعظم تو اس نمبر سے یوں ہیں بدحواس
جیسے شہرت اُنکی اُڑ جانے کو ہے بنکر دھواں

کوششوں پر کوششیں ہیں تاکہ رک جائے یہ کام
ان کی ہر کوشش مگر ہے ایک سعیِ رائیگاں

کیسے کیسے دوستانِ حضرتِ اختر بھی ہیں
دنگ رہ جاؤ گے جب مجھ سے سنو گے داستاں

جگن ناتھ آزاد

مُحبّی آزادؔ

خط ملا، دل ہوا شاد
آپ نے بندۂ ناچیز کو فرمایا یاد
مرحبا زندہ و پائندہ باد
آج ٹھنڈک ہے بہت سرد ہوا چلتی ہے
لیکن اس نامۂ اخلاص نے بخشا وہ سرور
دفعتاً دل میں ہوئی موجِ حرارت پیدا
اور ہونے لگا پھر برجستہ
نظمِ آزاد میں جذبوں کا ظہور
گرچہ اس شہر سے ہے دلّی دور
پھر بھی پاتا ہوں بہت آپ سے اپنے کو قریب
یاد آنے لگی وہ شام - وہ اخترؔ کے یہاں کی تقریب
وہ لطائف وہ ظرائف وہ ہنسی کی باتیں
چند احباب کی صحبت میں خوشی کی باتیں
آپ کا فرقتِ بادہ میں جماہی لینا -

وقت کی ناؤ کو اک چائے کی پیالی میں بہ دقت کھینا۔
آپ کا حکم سر آنکھوں پہ ہے اے بندہ نواز
آپ کی عمر دراز!
جشن جمہوریتِ ہند کی تقریبِ سعید
محفلِ شعر و سخن۔ جس کی کلید
میرے دل کے لئے خود جذب و کشش رکھتی ہے
شوق سے جاؤں گا شرکت کے لئے
شہر دلّی کی زیارت کے لئے
نظم آزاد میں خط لکھنا ہے کتنا آساں
آج معلوم ہوا۔
والسّلام
آپ کا اپنا واہی

●

رؤف خلش

اے حضرتِ رؤف خلش، بعد از سلام — ناچیز آپ سے ہے مخاطب بہ احترام
زیرِ مطالعہ تھا مرے آج "صبحِ نو" — شائع ہوا ہے آپ کا جس میں نیا کلام

دیکھا اسے تو آپ معاً یاد آ گئے — اور اس کے ساتھ ساتھ وہ رنگین صبح و شام
جب آپ کے دیار میں شہر نگار میں — ہم کو ملی تھی چند دنوں فرصتِ قیام
یاد آئیں دوستوں کی مسافر نوازیاں — دستِ خلوص میں نگہِ لطف کے وہ جام
فرّخ کے ساتھ بہر ملاقات آئے تھے — یہ آپ کا کرم تھا نوازش تھی لا کلام
تھے ابتدا میں آپ "جھگڑنے" کے موڈ میں — تیور بتا رہے تھے کہ ہیں تیغِ بے نیام
اس وقت یاد آیا تھا غالب کا ایک شعر — پڑھتے ہیں جس کو ایسے ہی موقع پہ خاص و عام
"اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا" — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں خنجر نہ ہے حسام
مانا کہ اس تصرّفِ بیجا سے حسنِ شعر — کجلا گیا ہے ایک ذرا سا برائے نام
مفہوم میں مگر نہ کوئی جھول آ سکا — اور سہل ہو گیا دمِ تحریر میرا کام
اچھا بتایئے وہ خلش، کیا تھی محترم — لڑنے کا کیوں بنایا گیا تھا پروگرام
افسوس تو یہی ہے کہ کُشتی نہ ہو سکی — ہوٹل میں ہو سکا نہ اکھاڑے کا انتظام
سچ کہہ رہا ہوں آپ سے مل کر خوشی ہوئی — گو مجھ سے دور دور رہا آپ کا قیام
لیکن خلوص و سادہ مزاجی سے آپ نے — دل میں بنا لیا ہے مرے اک اہم مقام
احمد ہمیش سے بھی ملاقات ہو گئی — ورنہ سفر ہمارا رہا ہوتا نا تمام
گو ممبو زیم کی سیر کا موقع نہ مل سکا — زندہ عجائبات میں لیکن ہے ان کا نام
ہم ان سے مل کے خوش بھی ہوئے اور ملول بھی — وہ آدمی ذہین ہیں اس میں نہیں کلام
یہ بھی درست ہے کہ نئے شاعروں کے بیچ — احمد ہمیش رکھتے ہیں اپنا الگ مقام
لیکن مزاج ان کا ہے کچھ غیر معتدل — اسکو کریں درست، یہ ہے دوستوں کا کام

اس سلسلے میں اور اشارے میں کیا کروں
احوال ان کے آپ پہ ہیں منکشف تمام

لیجے کہاں سے بات چلی اور کہاں گئی
رکھا نہ میں نے کچھ بھی تکلّف کا التزام

”نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں“
پہلے ہی خط میں مرکبِ خامہ ہے بے لگام

کس درجہ آپ بور ہوئے ہونگے پڑھ کے خط
خود اپنے آپ پر ہے تاسف کا یہ مقام

دراصل کونسل کا جو اجلاس بند ہے
دفتر میں آج کل نہیں رہتا ہے کوئی کام

ایسے میں پڑھتا رہتا ہوں یا تو کوئی کتاب
لکھ لکھ کے یا خطوط ہی کرتا ہوں میں تمام

خط کا جواب دیجیے اور جلد دیجیے
ہے انتظار آج ہی سے اس کا - والسلام

۴ر اپریل ۱۹۶۸ء

•

مُصطفیٰ کمال

(مدیر شگوفہ حیدر آباد)

آج کی ڈاک سے خط آپ کا آیا صاحب
شکریہ اس نگہِ لطف و کرم کا صاحب

ہے خوشی اس کی کہ اب ہاتھ کی مہندی چھوٹی
دیکھ کر کارڈ مگر تنگ ہے یہ پیدا صاحب

یہ بھی ممکن ہے تساہل نے اجازت ہی نہ دی
اس لیئے آپ نے اک کارڈ ہی لکھا صاحب

خیر ہر حال میں راضی بہ رضا رہنا ہے
آپ جسطرح سے پیش آئیں یہ ہے اچھا صاحب

اک ایڈیٹر ہے قلم جس کا ہو جہانگیر صفت
ہم بچاروں کو بہر حال ہے ڈرنا صاحب

وہ اڈیٹر کہ جو ناقد بھی محقق بھی ہے
ہاتھ میں جس کے رہے طنز کا ڈنڈا صاحب

سر ہے خم جیسے بھی جی چاہے سنایا کیجے
جائیے آپ کا ہر ناز گوارا صاحب

اب یہ فرمائیے، اور اہلِ جفا کیسے ہیں
یعنی کیا حال ہے یارانِ دکن کا صاحب

مجتبیٰ، ناصر و نیّر سے ہے مطلب میرا
اُن سے کہیئے کہ ابھی تک ہوں میں زندہ صاحب

پھر یہ حضرات ہیں کیوں مہر بلب مدت سے
آپ کا وصف انھیں کس نے سکھایا صاحب

یوں تو نیّر نے کئی دن ہوئے زحمت کی تھی
یعنی دو لفظ کا اک کارڈ لکھا تھا صاحب

دستخط کے سوا کچھ اور نہیں تھا اس میں
خیر اس کو بھی غنیمت ہی میں سمجھا صاحب

لیکن اس کا ہے گلہ ناصر کرنولی نے
کبھی بھولے سے بھی فدوی کو نہ پوچھا صاحب

بہتر اب آیئے موضوعِ سخن ہم بدلیں
تا بہ کے اہلِ تغافل کا ہو شکوا صاحب

یہ تو فرمایئے وہ زخم بھر آیا کہ نہیں
کھا کے کشمیر سے آئے تھے جو چرکا صاحب

طاق سے جُفت ہوئے یا کہ لنڈورے ہیں ابھی
کیوں! کوئی اور نیا زخم لگا کیا صاحب؟

حال پٹنہ کا وہی ہے کہ ہمیشہ سے جو تھا
وہی چولی، وہی ساری، وہی لہنگا صاحب

خیریت سے ہیں شگوفہ کے بہی خواہ یہاں
بن گیا آپ ہی آپ اس کا بھی حلقہ صاحب

چند اک ماہ سے سانجر کی شکایت ہے مجھے
وقت بے وقت جو کر دیتا ہے حملہ صاحب

صبح سے آج بھی اعضا شکنی ہے کچھ کچھ
عین ممکن ہے، مرض بول دے دھاوا صاحب

ایک مدت سے کوئی نظم نہیں لکھی ہے
جانے کیوں لگ گیا تخئیل پہ تالا صاحب

اور تو کوئی نئی بات نہیں لکھنے کی
اور تو کوئی خبر ہی نہیں تازہ صاحب

لکھ کے یارانِ شگوفہ کو دعا اور سلام
ختم ہے نامۂ منظوم رضا کا صاحب

۲۸ر فروری ۷۰ء

گوپال متّل

(اڈیٹر تحریک دہلی)

اے حضرتِ متّل، یہ کرم ہے کہ ستم ہے
کیوں لطفِ نظر آپ کا ناچیز پہ کم ہے
واللہ کہ ہیں آپ بھی اک زندہ عجائب
صحرا میں[1] اذاں دے کے کہاں ہوگئے غائب
مانا کہ مرے شہر سے دلّی ہے بہت دور
جیسے کہ رہ و رسمِ وفا سے دلِ مخمور[2]

یہ بات کہے کون؟
جنگل میں اگر بیل پکا ہے تو چکھے کون
صحرا میں جو گونجی ہے وہ آواز سُنے کون
جب تک نہیں پہنچے دلِ صاحب نظراں تک
شوریدہ سراں تک
آوازِ اذاں کیا؟
گلبانگِ فغاں کیا؟

---

[1] گوپال متّل کا مجموعۂ کلام

[2] مخمور سعیدی، ادارۂ تحریک کے رکن

مَیں کان میں اُنگلی دیئے بیٹھا تو نہیں ہوں
بہرا تو نہیں ہوں
گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دَم ہے
پھر غیر سبب کیوں
اس بندۂ ناچیز پہ تخفیفِ کرم ہے
یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھے مُفت نہ بھیجیں
توفیق بہ اندازۂ ہمّت کا ہوں قائل
مَیں آپ کی دیرینہ شرافت کا ہوں قائل
ہر حال میں راضی بہ رضا ہوں
ہدیہ بھی ادا کرنے سے انکار نہیں ہے
آپس میں تکلّف کی بھی دیوار نہیں ہے
پھر مجھ پہ تغافل کی نظر کیوں ہے جفا کیوں
یہ حضرتِ مخمورؔ سعیدی کی ادا کیوں؟

●

۲۶ر مئی ۷۰ء

بہاءالدین احمد کلیم

(ممبر بہار اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن)

بہاءالدین بھائی آپ کا دیدار کیوں کر ہو
قدم جب آپ کا ہر وقت اپنے گھر سے باہر ہو
نہ جانے آپ کیوں ناچیز سے بیزار رہتے ہیں
اگرچہ ہم بھی زیرِ سایۂ دیوار رہتے ہیں

درِ دولت پہ جب بھی حاضری دینے کو جاتا ہوں
جبلِ ناتواں کو آپ کی ڈیوڑھی پہ پاتا ہوں
اشاروں میں وہ کہتا ہے کہ گھر پر تو نہیں صاحب
گئے ہیں بن سنور کر اک ذرا پہلے کہیں صاحب

تصوّر میں معاً تصویرِ جھجّو باغ آتی ہے
جہاں پر بے تحاشا آپ کی تشریف جاتی ہے
یہ مانا حضرتِ اختر میں ہے محبوبیت باقی
بڑھاپے میں بھی بچپن اور جوانی کی ہے لت باقی

خدا کے فضل سے کچھ کم نہیں ہیں آپ بھی اُن سے
نہیں محبوبیت میں اک ذرا سی بھی کمی اُن سے

تو پھر کیوں انجمن اپنی نہ خود گھر پر سجاتے ہیں
پرستاروں کو یوں محرومِ جلوہ کیوں بناتے ہیں
یہ کہہ کر کیوں نہ دل اپنی کشش کو آزماتا ہے
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

۳۰ مارچ ۱۹۷۰ء

(ڈاکٹر) مظفر حنفی

ایک خط آپ کا آیا تھا مظفر صاحب — آج تک دے نہ سکا اس کا میں اُتّر صاحب
بھول ہو جاتی ہے انسان سے اکثر صاحب — معذرت خواہ ہوں اپنی غلطی پر صاحب
ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا — کاہلی میری بنی راہ کا پتھر صاحب
عرض اتنی ہے فقط منہ نہ پھلائے رہیئے — بخش دیجئے مجھے صلوات سنا کر صاحب
ورنہ میں آپ کی چپکی سے ہراساں ہوں بہت — ابھی پوشیدہ ہیں طوفان کے تیور صاحب
میر کی جیب میں تھے صرف بہتّر نشتر — آپ کے پاس تو ہے طنز کا لشکر صاحب
خوف اس کا ہے کہ کھل جائے نہ یافی کی زباں — جس کے ہر فقرے میں سو طنز ہوں مضمر صاحب
شاد صاحب کے اکھاڑے میں جو کشتی کھیلے — ایسے طنّاز سے ڈرنا ہی ہے بہتر صاحب
اپنی کوتاہی بہر حال ہے تسلیم مجھے — لیکن اک بات کہوں اِذن ملے گر صاحب
آپ نے کیوں نہ مجھے یاد کیا مدت سے — خامشی توڑی نہ کیوں آپ نے بڑھ کر صاحب

آپ کیوں بیٹھ گئے ترکِ تعلق کر کے — بولیے کیا ہے جواب اس کا مظفر صاحب

چھیڑ خوباں سے چلی جائے - جو تھا مدِ نظر

جملۂ معترضہ لکھ گیا اوپر صاحب

اب یہ فرمایئے کیا حال ہیں کیسے ہیں آپ — اپنے محور پہ تو ہے زیست کا چکر صاحب

زیرِ ترتیب ہے پھر کوئی نیا مجموعہ؟ — کس قدر جمع ہوئے ناوک و نشتر صاحب

تبصرہ آپ کے پانی کی زباں پر دیکھا — تبصرہ کیا ہے تعصب کا ہے دفتر صاحب

پگڑیاں لاکھ اچھالا کریں شب خوں والے — انکے لکھنے سے نہ ہوگا کوئی کمتر صاحب

لطف کی بات تو یہ ہے مگر ایسے اشعار — سانپ بچھو کے جو کاٹے کا ہوں منتر صاحب

فکر و فن معنی و مطلب سے نہ ہو جنکو لگاؤ — ان پہ کھل جاتے ہیں تعریف کے دفتر صاحب

تبصرہ مشغلۂ دیدہ وراں تھا پہلے — اور اب ناریلِ پنجۂ بندر صاحب

سخت گرمی ہے کئی دن سے پریشانی ہے بہت — نہ تو دفتر میں ہے آرام، نہ گھر پر صاحب

غسل خانے سے نہا کر کوئی نکلے جیسے — یوں پسینے سے سراپا ہے مرا تر صاحب

آپ کے شہر میں کیا رنگ ہے اس ظالم کا — کیا وہاں بھی ہے یہی عالمِ محشر صاحب

لیجیے وقت گذاری کے لئے خط لکھا — دوسرا کام نہ تھا، بند ہے دفتر صاحب

سلسلہ خط و کتابت کا نہ رکنے پائے

اپنے احوال لکھا کیجیے اکثر صاحب

●

۱۸ مئی ۱۹۷۰ء

وفا ملک پوری

مدیر "صبحِ نو" پٹنہ

لفظِ "وفا" کی خوب حجامت بنایئے — دن رات بے وفائی کے جوہر دکھایئے
عباس نام آپ کا ہے تو ہوا کرے — اس نام کی خصوصیتیں بھول جایئے
میں گھر پہ جاؤں آپ کے، ہفتہ میں چار بار — اس کا حساب آپ بھلا کیوں لگایئے
لیکن سوال آپ کے آنے کا ہو اگر — برسی ہو یا چھ ماہی مری تب ہی آیئے
میں دل کی قاش نذر کروں تو نہ لیجئے — قاضی سعید آم کھلائیں تو کھایئے
کوئی جوابِ خط کا کرے انتظار کیوں — جی بھر کے دستِ ناز میں مہندی لگایئے
کیوں یاد کیجئے کسی حرماں نصیب کو — وقت اپنا قیمتی ہے اسے کیوں گنوایئے
کوئی ہے تشنہ کام اگر تو ہوا کرے — کیوں اس کی تشنگیِ محبت بجھایئے
بنیئے خود اپنی بزم میں اک شعلۂ طرب — مرگھٹ کی خامشی میں دیا کیوں جلایئے

مدت سے کوئی خط ہے نہ کوئی پیام ہے
بے جوادا ہے آپ کی کیا اس کا نام ہے

کام آئیں میرے حضرتِ نیرؔ خدا کرے — پھنس جائے اُن سے آپ کا دلبر خدا کرے
اپنالے آپ ہی کی ادا کو شعار کو — وہ دل نواز۔ بن کے ستم گر خدا کرے
جس طرح آپ مجھ کو ستاتے ہیں آجکل — وہ بھی ستائے آپ کو اکثر خدا کرے

آئس کریم کھائے وہ نیّرؔ کے ساتھ جب
دل آپ کا کباب ہو جل کر خدا کرے

یا اُن کے ساتھ بیٹھ کے با شانِ دلبری
دیکھے تمام رات وہ پکچر خدا کرے

اور اس طرف ہوں آپ نہایت ہی بے قرار
آئے نہ نیند آپ کو شب بھر خدا کرے

جلتے رہیں فراق کی بھٹی میں رات دن
میری طرح ہوں آپ بھی مضطر خدا کرے

اس درجہ اختلاج بڑھے فرطِ غیظ سے
پڑ جائے اسپتال کا چکر خدا کرے

نیّرؔ تو جائیں بہرِ عیادت کبھی کبھی
لیکن قریب جائے نہ دلبر خدا کرے

غصہ میں کہہ گیا ہوں میں جو کچھ وہ سب غلط
ہوں یہ ستم نہ آپکے دل پر خدا کرے

واللہ گرچہ آپ بڑے کج ادا ہیں
میرے ہی دلنواز ہیں، گو بے وفا ہیں

●

پروفیسر عبدُالمغنی

(شعبۂ انگریزی بی، ان کالج پٹنہ)

آپ بھی خوب ہیں اے حضرتِ مغنی واللہ
وارثی کنج میں جاتے ہی ہوئے کیوں بے راہ
کیوں نظر آپ کی بدلی ناگاہ
ایک عرصہ سے ہوئی ہے نہ ملاقات نہ بات

خشک ہے پیڑ روابط - کوئی ڈال نہ پات
نہ رہ و رسم کی گھنگھور گھٹا ہے نہ ملن کی برسات
یہ چلن آپ کا پہلے تو نہ تھا
جب مضافات میں رہنے کے رہا کرتے تھے
نظر آجاتے بھتے گاہے گاہے
کبھی گھر پر سر راہے گاہے
اب یہ عالم ہے مہینوں سے زیارت نہ ہوئی
کیا یہ دیرینہ روایت سے بغاوت نہ ہوئی؟

یہ جدیدی انداز
حیرت انگیز ہے اے بندہ نواز
گھر کے بھیدی کا یہ کہنا ہے کہ مُرغوں کی کشش
کرتی ہے آپ کو آمادۂ کوچہ گردی
خواہ وہ موسمِ گرما ہو کہ فصل سردی
مجلسِ وعظ میں شرکت کا بہانہ کرکے
آپ رانچی کبھی جاتے ہیں، کبھی بھاگل پور
وعظ و تقریر تو پردہ ہے حقیقت یہ ہے
رکھ دیا مُرغِ مسلّم نے دِوانہ کرکے
بہرِ تقریر تو اخترؔ بھی بہت جاتے ہیں

مجلسِ شعر میں ناچیز بھی ہوتا ہے شریک
منتظم، دے کے فقط داد ہی ٹرخاتے ہیں
شاذ ہی مُرغِ مسلّم ہمیں ہوتا ہے نصیب
میزباں آپ کے لیکن ہیں عجیب
جن کے ٹیبل پہ فقط مُرغ رہا کرتے ہیں

پالنے والے سے اب ہم یہ دعا کرتے ہیں
کہ خدایا ہمیں مغنی سی عطا کر قسمت

محفلِ شعر و تقاریر میں جب بھی ہو ہماری شرکت
حضرتِ اختر و ناچیز کو ہر کھانے میں
مُرغ و ماہی سے نوازا کرنا
مثلِ مغنی شکم و روح کو تازہ کرنا

ایک بات اور کروں گوش گزار
آیئے جب بھی سفر سے واپس
(اور سفر آپ تو ہر روز کیا کرتے ہیں)
یافت جو کچھ بھی ہو اس میں ہمیں حصّہ دیجیے
کم سے کم ایک جواں مُرغ کی قیمت ہی سہی
تاکہ پوری ہو ہماری حسرت
اور ملے کام و دہن کو لذت

ورنہ ہم - یعنی کہ ناچیز و جناب اختر
یہی مشہور کریں گے گھر گھر
وعظ و تقریر سے کچھ کام رہا کب ان کو
نہ ادب سے نہ سیاست سے ہے مطلب ان کو
کیوں بھلا جائیں کہیں قوم کا وہ غم کھانے
وہ تو جاتے ہیں فقط مُرغِ مسلّم کھانے

۱۶ر جون ۱۹۷۰ء

●

خاؔلد رحیم (کٹک)

شہر پٹنہ سے یہ خط آج رقم کرتا ہوں
دس دسمبر کا ہے دن سال ۶۶ عیسوی
اے عزیزی و حبیبی خاؔلد
آج کی ڈاک سے وہ نامۂ اخلاص ملا
آٹھ دن تک جو رہا آپ کی غفلت کا اسیر
یعنی وہ خط جو نومبر میں ہوا تھا تحریر
منتظر جس کا کئی روز سے تھا عبدِ حقیر
جب بھی خط آپ کا آجاتا ہے

دلِ پژمردہ کو شاداب بنا جاتا ہے
آج دفتر میں کوئی کام نہیں
سخت ٹھنڈک ہے بڑی سرد ہوا چلتی ہے
کیوں نہ ہو موسمِ سرما کا ہے بھرپور شباب
اسی رنگین و طرحدار حسینہ کی طرح
ڈیلنٹی بیگ چرایا جس نے
ایک دن آپ کو مدہوش بنایا جس نے
دے کے جُل آپ کو چل دی تھی وہ بدمست شباب
اس کے باوصف کہ ہیں خود بھی جواں آپ جناب
نوجوانی کسی مہوش کی ہو یا سرما کی
میری صحت کے لئے سخت مُضر ہے صاحب
اس لئے دفترِ سرکار کے اک کمرے میں
کھڑکیاں بند کیے
ایک کُشن پر ہوں دراز
خط ملا آپ کا جب روح میں گرمی آئی
آپ کی یاد نے لی انگڑائی
دل نے پٹنہ سے کٹک تک کی مسافت طے کی
بہ خوشی اور بہ مسرّت طے کی

بخشی بازار کا آنے لگا کانوں میں شور
پردۂ ذہن پہ اُبھرا ہے وہ پیارا اسٹور
آپ دوکان میں موجود ہیں یوں
جسم میں جاں ہو جیسے
اور گاہک ہیں کھڑے، چاند کو گھیرے میں لئے کاہکشاں ہو جیسے
ایک جمیلہ ہے اِدھر ایک غزالہ ہے اُدھر
بیچ میں آپ ہیں اور آپ کی رنگین نظر
اِس کے شوہر کے لیے ہاتھ میں نکٹائی ہے
اس سے سنتے ہوئے تجدیدِ شناسائی ہے
الغرض بیچنے بکنے کا ہے چکّر جاری
چائے بازار سے منگوائی ہے پینے کے لیئے
یہ بھی اک شغل ہے جینے کے لئے
آئیے آپ بھی شرکت کیجے
یہ تکلّف ہے غلط، لیجیۓ اک کپ پیجے
چائے کے بعد مَیں سگریٹ پیا کرتا ہوں
گرم گرم آہ بھرا کرتا ہوں
لیجیۓ بن گیا خود ساختہ پتلا سگریٹ
میری تنہائی کا ساتھی مرا پیارا سگریٹ

آپ کو شوق اگر ہو — تو یہ تمبا کو ہے

یہ ہے کاغذ، یہ ہے ماچس، وہ نیپائی ہے، وہ ہے البش ٹرے

آپ شادی سے ہیں کیوں خوف زدہ

جان پر کھیلنے کی بات کہاں ہے اس میں

اور اگر بات یہ ہو بھی تو بڑی بات ہے کیا

آپ کا نام تو خالد ہے جناب والا

اس بڑے نام کا کچھ پاس تو کرنا ہوگا

کم سے کم ایک حسینہ پہ تو مرنا ہوگا

ایک خالد نے تو دنیا کو ہلا ڈالا تھا

اور آپ ایک حسینہ سے ڈرے جاتے ہیں؟

لیجیے ہو گیا اِنلیبنڈ یہ ختم

چند احباب بھی ملنے کے لیے آ پہونچے

جو مجھے گپ میں پھنسائیں گے بہت دیر تلک

چائے بھی ان کو پلانا ہوگی

اس لیے یار جو زندہ ہے تو صحبت باقی

والسّلام آپ کا اپنا واہی

۱۰ر دسمبر ۱۹۶۶ء

سنتوکھ سنگھ معصوم

(ان پر چوروں نے حملہ کر کے ان کا ایک بازو مجروح کر دیا تھا۔ اس کی خبر پا کر)

چوروں سے معرکے کا پڑھا خط میں حال جی
واللہ آپ نے تو دکھایا کمال جی

بدذوق و نامراد یقیناً وہ چور تھے
شاعر کے گھر سے پاتے بھلا کیا وہ مال جی

کچھ مل سکا نہ ہو گا بجز نظم اور غزل
ہو گا اسی لئے انھیں بے حد ملال جی

کھسیانی بلّی نوچتی کھمبا ہے جس طرح
ویسا ہی ان کے دل کا ہوا ہو گا حال جی

ناکامیوں کی شرم مٹانے کے واسطے
لڑنے پہ تل گئے وہ درندہ خصال جی

بازو پہ ضرب آئی، مگر جان بچ گئی
بس یہ سمجھئے آپ بچے بال بال جی

رحمت گرو کی ڈھال بنی آپ کیلئے
اس واسطے نہ گل سکی چوروں کی دال جی

ملتے ہی خط جواب بہ تفصیل دیجئے
زخموں کا ہو سکا کہ نہیں اندمال جی؟

اس ماہ میں نہ ہو گا ہمارا مشاعرہ
فی الحال اس کا وقت دیا ہم نے ٹال جی

کیسی ہے اور کہاں پہ نواسی ہے آپکی
ہے ننھیال میں کہ گئی ددھیال جی

بچوں کو پیار کیجیے میری دعا کے ساتھ
سردارنی سے کہئے سری ست اکال جی

۴ اگست ۱۹۷۰ء

سلطان اختر

سلطان اختر! آپ جو غائب ہیں آجکل — رحمانیہ نشینوں کی شام و سحر ہے ڈل
جب سے قلم کو تج کے اُٹھالی ہے رائفل — ہے گولیوں کی زد میں بچاری نئی غزل
یکسر اُداس رہتے ہیں سب انٹلکچوئل — ہے انتشار فوج میں، بے فیلڈ مارشل
نذرِ شکار ہو گئی ساری ہماہمی — رحمانیہ کے ضابطے میں پڑ گیا خلل
اک آپ کے نہ رہنے سے کچھ بھی نہیں وہاں — وہ جوش وہ خروش وہ لفظی اتھل پتھل
اب منحنی ادیب و شتر مرغ بھی ہیں سرد — ماحول میں ذرا بھی نہیں گرمیٔ عمل
مجنوں جو مر گیا تھا جو جنگل اداس تھا — ہے آپ کے قدم سے وہاں پھر چہل پہل
اب تو غزل کے بدلے غزالوں کے شوق میں — کاندھے پہ رائفل ہے تو بندوق در بغل
رہتا ہے کی فضا میں گھُلی شعریت کی رُوح — چھیڑی جو کارتوس کے لب سے نئی غزل
کہتے ہیں یہ جنابِ تبسم کہ - رکھ کے آپ — کاندھے پہ دوسروں کے چلاتے ہیں رائفل
بندوق داغتا ہے چچا زاد بھائی جب — تو آپ دیکھتے ہیں تماشہ اچھل اچھل
یعنی کہ خوں لگا کے شہیدوں کی لِسٹ میں — لکھوا رہے ہیں آپ بھی نام اپنا آجکل
یہ تو وہی ہوا - کوئی شہرت کا لالچی — جا کر مشاعرے میں پڑھے آپ کی غزل
ہونے لگی شکار میں بھی اب ہیر و کسی — بابِ شکاریات میں ہے یہ نئی پہل
سچ ہے اگر یہ بات تو جنگل کی قید کیا — پٹنہ ہی کو بنایئے جولانگہِ عمل

چھوٹی سی وہ تپائی جنابِ حمید کی	ہر شام جس پہ بیٹھتے تھے آپ بے خلل
افسردہ و ملول کھڑی تین ٹانگ پر
تکتی ہے راہ دیر سے پہلو بدل بدل

●

پروفیسر تاج پیامی

(ان کا مجموعۂ کلام "آئینہ" پڑھنے کے بعد)

دیکھ کر آپ کا آئینہ پیامی صاحب	جھک کے دیتا ہے قلم میرا سلامی صاحب
دستِ ماہر نے جو پروان چڑھایا ہے اسے	حُسنِ ترتیب میں کوئی نہیں خامی صاحب
اس اشاعت سے ہوئی آپ کے فن کی شہرت	آپ کا آرٹ رہا اب نہ مقامی صاحب
رنگ و آہنگِ غزل میں ہے توازن کا جمال	نہ معمہ نہ روایت کی غلامی صاحب
سبکی تسکین کا سامان بہم ہے اس میں	عارفِ فن ہو کہ ہم سا کوئی عامی صاحب
لیجیئے مل گئی اب، صاحبِ دیواں ہو کر	سخن آباد میں جاگیر دوامی صاحب
یونہی بے لوث کیا کیجیے ادب کی خدمت	آپ کا کوئی مخالف ہو کہ حامی صاحب

اپنا احساس جو تھا مختصراً عرض کیا
دل کو منظور نہیں طول کلامی صاحب

●

مناظرِ عاشق

یہ بات سمجھنے سے مرا ذہن ہے قاصر — کیوں ایک زمانے سے ہو خاموش مناظرؔ
"اکرام" کا آسیب بھی مدت ہوا بھاگا — فرصت کے ہیں دن وقت کا سرمایہ ہے وافر
پھر بند ہے کیوں سلسلۂ خط و کتابت — اس قطعِ تعلق کا سبب کچھ تو ہے آخر
خط کوئی مقالہ کوئی ناول نہیں ہوتا — جس کے لئے تم کھولو مضامیں کے دفاتر
خط لکھنا کوئی فکرِ سخن بھی نہیں ہرگز — جس میں یہ بہانہ ہو طبیعت نہیں حاضر
"چُپ پیر" کی درگاہ سے وابستہ ہوئے کیا — اور بیٹھ گئے بن کے اسی در کے مجاور
یا بودھ گیا کے کسی بھکشو نے پھنسایا — اور مسلکِ گوتم سے ہوئے تم متاثر
کیا پھر کسی ناگن کا پڑا قلب پہ دورہ — کیا بن گئے پھر جادۂ وحشت کے مسافر
حیرت ہے کہ دو ماہ پہ اک کارڈ نہ لکھے — وہ شخص جو مکتوب نگاری میں ہو ماہر

کیا راز ہے اس موَن برت کے پسِ پردہ
اک روز نہ اک روز وہ ہو جائے گا ظاہر

کرامت علی کرامت (کٹک)

بھائی کرامت آداب

آپ کے نامۂ اخلاق کا تاخیر سے حاضر ہے جواب

اپنی کوتاہی پہ نادم ہوں جناب

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر نہ تھا

کوئی عناں گیر نہ تھا

بس تساہل کے سبب

موڈ بنتا نہ تھا خط لکھنے کا

آج پونم میں غزل آپ کی آئی جو نظر

میرے اوسان خطا ہو گئے، چکرا گیا سر

دل پہ تا دیر رہا اس کا اثر

سانپ ہر شعر میں جس دم نظر آیا مجھ کو

مثلِ غالبؔ خفقانی نے ڈرایا مجھ کو

معترف ہے مگر اس بات کا یہ عبدِ حقیر

جس طرح سانپ کو کرتے ہیں سپیرے تسخیر

آپ نے یوں ہی قوافی کی پہنا کر زنجیر

کر لیا ایک بپھرتی ہوئی ناگن کو اسیر
یعنی آئی ہے جہاں پر بھی ردیف
قافیوں کی ہے برابر کی حریف
یہ نہیں ہے کوئی جھوٹی تعریف
جس طرح دودھ میں گھل جائے شکر

ہے ردیف اور قوافی میں وہی میل، وہی لطفِ نظر
شاخسار (آپ کی تصویر بھی جس میں آئی)
ایک دو ماہ ہوئے ڈاک سے موصول ہوا تھا بھائی
آپ نے نوٹ جو اردو کے مسائل پر لکھے
تھے بہر حال نپے اور تُلے

متوازن تھے خیالات، مدلل تحریر
جیسے نتھرے ہوئے پانی میں شفق کی تنویر
اس شمارے میں تعارف کا وہ باب
جس کا موضوع ہے حضرتِ نایاب حیدر
خوب ہے خوب کرامت صاحب
وقت کی ہے یہ ضرورت صاحب
کہ وہ اربابِ سخن، فکر ہے جن کی شاداب
ان کی گمنامی کے چہروں سے اٹھے یوں ہی نقاب

اب یہ فرمایئے کیسے ہیں جنابِ نجمی
میری جانب سے انھیں کہیئے سلام و آداب
ان کا دم ارضِ کٹک میں ہے مثالی صاحب
پانی پت میں کبھی جس طرح تھے حالی صاحب
یہ بھی فرمایئے کیسے ہیں حفیظ و خالد
نہیں ان دونوں عزیزوں کے تغافل کا جواب
اک زمانے سے تعلق توڑے
جانے کیوں بیٹھے ہیں ناچیز سے وہ منھ موڑے

---

(۲)

خطِ منظوم ملا بھائی کرامت صاحب
آپ کی ہے یہ عنایت صاحب
کوئی دس روز ہوئے
آپ کا گُل کدۂ فکر "شعاعوں کی صلیب"[۱]
جو بہر رنگ ہے اک تحفۂ دل چسپ و جمیل
ایک صاحب نے دیا
اس نوازش کے لیئے بھی ہوں سراپا ممنون

۱؎ کرامت علی کرامت کا مجموعۂ کلام

ہے خبر مجھ کو جناب والا
کہ یہاں لائے تھے تشریف حضور
اور امامت کدۂ شہر میں ڈالا تھا پڑاؤ
وہ امامت کدۂ شہر، وہ تکیہ گہِ ارباب جدید
وقت بے وقت جہاں رہتا ہے رحمانیہ ہوٹل کے ادیبوں کا جماؤ
یہ خبر بھی ہے کہ نوخیز ادیبوں کے امام
جن کے گھر آپ نے فرمایا تھا دو روز قیام
اس قدر آپ کو مصروف انھوں نے رکھا
کہ ملاقات کا ناچیز سے موقع نہ ملا
لیکن اک بات کھٹکتی ہے ضرور

میرے حضور!
آپ کی عمر دراز!
اپنی آمد کی خبر فون سے کیوں دے نہ سکے، بندہ نواز!
تاکہ میں خود ہی ملاقات کو حاضر ہوتا
آپ کی طرح نہ قاصر ہوتا
کہیں ایسا تو نہیں
میزباں ہی سے اجازت نہ ملی
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

ایک بار اور اسی طرح جب آئے تھے یہاں فاروقی

تو معمّر ادبا۔ اور شعرا سے انھیں ملنے کی اجازت نہ ملی

اُن پر قدغن تھا۔ امامت کدۂ شہر سے باہر نہ نکلنے پائیں

صرف نوعمر ادیبوں سے ملیں، ان کی سنیں، آپ سنائیں

چودھراہٹ کی بقا کے لئے یہ نسخۂ خاص

راس آتا ہے بہت مصلحت اندیشوں کو

خیر، اب آیئے کچھ بات ہو مجموعے کی

عرض تو کر ہی چکا ہوں کہ "شاعروں کی صلیب"

ہے بہر رنگ گراں قدر و جمیل

معنوی حُسن ہو یا دل کشیٔ خال و خد و عارض و لب بالترتیب

ہر ورق پر ہے عیاں

ایک مصوّر کا عمل، ایک مفکر کی نظر ایک سخن ور کی زباں

ہیں مگر ایسے بھی کچھ شپّرہ چشمانِ ادب

جن کے اعصاب پہ رہتی ہے سوار

مورچہ بند صحافت کی چُڑیل

ان کی نظروں میں شاعروں کی صلیب

چند تاریک لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

نیش عقرب کی روایت ہے انہی سے زندہ

ایسے حضرات طبیعت سے ہیں اپنی مجبور
ایسے تخریب پسندوں کے تمسخر کی نہ پروا کیجے
بے تکی بات جو بکتے ہیں تو بکنے دیجے
بی جمالو کے عزیزوں کا یہی ہے دستور
بُھس میں چنگاری رکھی اور کھڑے ہو گئے دور

اب یہ فرمایئے میرا وہ نیا مجموعہ
آپ کی میز پہ دو سال سے محبوس ہے جو
چادرِ گرد میں ملبوس ہے جو
حبسِ بیجا کے شدائد کے سبب
کھو چکا ہے جو نیاپن اپنا
اس کے بارے میں کوئی بات کبھی بھی نہ لکھی آپ نے کیوں؟
اس سزائے نظر اندازی کی
کوئی میعاد مقرر کیجے
آج اتنا ہی فقط
آپ کا اپنا واہی

●

خالد رحیم (کٹک)

عالی جناب حضرتِ خالد کٹک مقام
مدت کے بعد آپ سے ہوتا ہوں ہم کلام

پہلے قبول کیجیے آداب اور دعا
سُنیے پھر اس کے بعد یہ دل چسپ ماجرا

اک عرصۂ دراز سے مَیں جو خموش تھا
حالاتِ بے لگام کا بس اس میں دوش تھا

وہ خط جو ماہِ جون میں بھیجا تھا آپ نے
ہے سوئے اتفاق کہ بس کل ملا مجھے

کل ہو رہی تھی گھر کی صفائی کہ یک بیک
انبارِ کاغذات میں اس کی ملی جھلک

دبکا پڑا ہوا تھا وہ یوں کاغذات میں
جیسے لحاف اوڑھ کے جاڑوں کی رات میں

بیگم پڑی ہوں آپ کو آغوش میں لیے
اور آپ سینڈوچ کی طرح ہوں دبے ہوئے

شاید کہ ایسے وقت میں آیا ہو ڈاکیہ
غائب رہا ہوں گھر سے میں جب اتفاقیہ

خط لے کے رکھ دیا ہو کسی ایسے شخص نے
اس کی اہمیت کا نہ اندازہ ہو جسے

اتنے دنوں پہ آپ کی تحریر دیکھ کر
کیونکر بیاں کروں کہ ہُوا خوش میں کس قدر

نادیر چشمِ شوق اسے چاٹتی رہی
دُوری کی ہر خلیج کو وہ پاٹتی رہی

پڑھتے ہی بدگمانیِ بیگم کی داستاں
مَیں اس قدر ہنسا کہ لگیں دُکھنے پسلیاں

پھرنے لگی نگاہ تصور میں ایک شب
دوکاں سے آپ گھر پہ تھکے ماندے لوٹے جب

بیگم کھڑی تھیں در پہ بصد خفگی و جلال
فرطِ غضب سے عارضِ تاباں تھا لال لال

مثلِ کماں چڑھائے ہوئے اپنی تیوریاں
بھینچے ہوئے لبوں کو نگاہیں شرر فشاں

دیکھا جو آپ کو تو کئی فٹ اچھل پڑیں
آتش فشاں پہاڑ کی صورت اُبل پڑیں

جس طرح شیرنی کی نظر ہو شکار پر
یوں ہی نگاہ آپ پہ اک بار ڈال کر

بولیں کہ سچ بتاؤ یہ کیا ہے معاملہ
مجھ سے چھپا کے چلتا ہے کس سے معاشقہ

واہی کے خط میں تذکرہ ہے کس چڑیل کا
نظروں میں جو بسی ہے وہ ہے کون مہ لقا

وہ کون ہے جو مجھ سے زیادہ عزیز ہے
کس شہر کس دیار کی وہ بدتمیز ہے

پٹنہ میں ہے، کٹک میں ہے یا لکھنؤ میں ہے
وہ کل مُنھی نگوڑی جو دل کے سبو میں ہے

بے شان و بے گماں ہوا نازل جو یہ عتاب
چکرا گیا دماغ، ہوئے آپ آب آب

بعد اس کے جھٹ سے گر پڑے بیگم کے پاؤں پر
اور گڑگڑا کے کہنے لگے، اے دل و جگر

میری مجال کیا جو کروں مَیں معاشقہ
کیا جانے تم کو کیسے ہوا یہ مغالطہ

نظریں ملاؤں اور سے، فرصت کہاں نصیب
ہمت کہاں کہ جاؤں کسی اور کے قریب

بیگم، غلام سے ہو بلا وجہ بدگماں
واہی کے خط میں ہو گا کسی اور کا بیاں

بیگم کا دل پسیج گیا اس بیاں کے بعد
منزل یقیں کی آئی سراب گماں کے بعد

قدموں سے اپنے آپ کے سر کو اُٹھا کے پھر
آنچل کی سُرخ اوٹ سے کچھ مسکرا کے پھر

کمرے کی سمت کر کے اشارہ، کہا چلو
سمجھے نہ آپ جب تو، دوبارہ کہا چلو

ڈر ہے کہ بیگم آپ کی دیکھیں نہ پھر یہ خط
اور آپ کو سنانے لگیں پھر نہ بے نقط

اس واسطے قلم کو لگاتا ہوں اب لگام
خط کا جواب لکھیے بہ تفصیل، والسلام

رؤف خلش (حیدرآباد)

حضرت، اگرچہ اس کی شکایت کوئی نہیں
بے وجہ پھر بھی آپ کی یہ خامشی نہیں

فرمایئے تو۔ کیا یہ ستم پیشگی نہیں
کیا مجھ پہ التفات میں کوئی کمی نہیں

جب آپ میرے خط کا نہ دیں وقت پر جواب
کیونکر یقین آئے کہ یہ بے رُخی نہیں

کیا آج تک ہیں آپ جھگڑنے کے موڈ میں
بندہ نواز کیا ابھی خفگی مٹی نہیں

ہو بات اگر یہی تو سزا دیجیئے ضرور
لیکن سزا ہو نرم کچھ اتنی کڑی نہیں

منظور ہے، صلیب پہ مجھ کو چڑھایئے
تاب سزائے بے رُخی و خامشی نہیں

کیسا رہا ٹرسٹ کا اب کے مشاعرہ
اخبار میں خبر کوئی اس کی پڑھی نہیں

ویسے یقین ہے کہ رہا ہوگا کامیاب
اہلِ دکن میں ذوق و عمل کی کمی نہیں

کس مرحلے میں آپ کا "پیکر" ہے آجکل
نکلے گا کب تک اس کی خبر کچھ ملی نہیں

پونم کی دید کے لئے بیتاب ہے نگاہ
چھٹکی ابھی تک اسکی بھی کیوں چاندنی نہیں

"مکھی" کہ جس کے والد ماجد ہمیش ہیں
کیوں اتنی دیر لگ گئی اب تک چھپی نہیں

یادش بخیر میں نے کئی خط لکھے مگر
ان کو جواب دینے کی مہلت ملی نہیں

مکھی کے کاروبار میں شاید ہیں منہمک
میری طرف اسی سے توجہ گئی نہیں

ملئے کبھی جو حضرتِ عبدالسلام سے
کہیئے، رسید خط مجھے ابتک ملی نہیں

امید ہے کہ حضرتِ فرّخ بخیر ہیں
ان کی بھی یاد دل سے ابھی تک مٹی نہیں

احوال اور کیا ہیں وہاں کے بتایئے — مدت سے دوستوں نے خبر کوئی دی نہیں
تنقید کی نگاہ سے خط کو نہ دیکھئے — تک بندیاں ہیں اس میں کوئی شاعری نہیں
دفتر کے ایک روم میں کرسی پہ ہوں دراز — گرمی کی دوپہر ہے کوئی کام بھی نہیں
باہر وہ سخت لُو وہ تپش ہے کہ الاماں — اک مستقل عذاب ہے، ماہِ مئی نہیں
خط لکھ رہا ہوں وقت گزاری کے واسطے — مصروفیت کچھ اسکے سوا دوسری نہیں
فوٹوگراف بھیج چکے مجتبیٰ حسین — اب آپ کو ضرورتِ زحمت رہی نہیں
یوں تو کیا ہے میں نے سفر ملک میں بہت — کیونکہ مشاعروں کی کبھی بھی کمی نہیں

لیکن جو لطفِ ارضِ دکن میں ملا مجھے
حاصل ہوا وہ لطف کہیں اور بھی نہیں

---

۱ ایک ماہنامہ   ۲ احمد ہمیش کا نثری مجموعہ

ڈاکٹر اسلم آزاد

خط ملا آپ کا اسلم صاحب
خوش ہوئے پا کے اسے ہم صاحب

آپ کے ہاتھ کی مہندی چھوٹی
یہ تغیّر نہیں کچھ کم صاحب

آپ کے عشق مزاجی کی لَو
تیز ہے یا کہ ہے مدھم صاحب

شغل جاری ہے نظر بازی کا؟
یا کہ یہ شوق ہوا کم صاحب

گاؤں کی اور کسی لڑکی سے
ہو سکا یا نہیں سنگم صاحب

ایک دوشیزہ برائے اُلفت
چاہیئے آپ کو ہر دم صاحب

آج کل وقت گذاری کے لئے
کس سے خوش کس سے ہیں برہم صاحب

آپ کی ناک پہ رہنے والا
کیا ہے اس غصّے کا عالم صاحب

آج تک باقی چلی آتی ہے
دعوت مرغِ مسلّم صاحب

●

کتابت کی بعض غلطیاں

صفحہ	شعر	غلط	صحیح
۵۲	پہلا شعر	یک بار	پر ایک بار
۱۰۳	شعر ۱۶	شعور	شعوری
۱۱۵	شعر ۸	کشب	کسب
۲۳۱	آخری شعر	جاتا	جاتی
۲۴۲	شعر ۵	سے	کے
۲۷۴	شعر ۷	جن	جس
۳۰۷	پہلا مصرع	—	کا
۳۱۸	مصرع ۱۴	نایاب حیدر	حیدر نایاب

مصنّف کی دوسری کتابیں

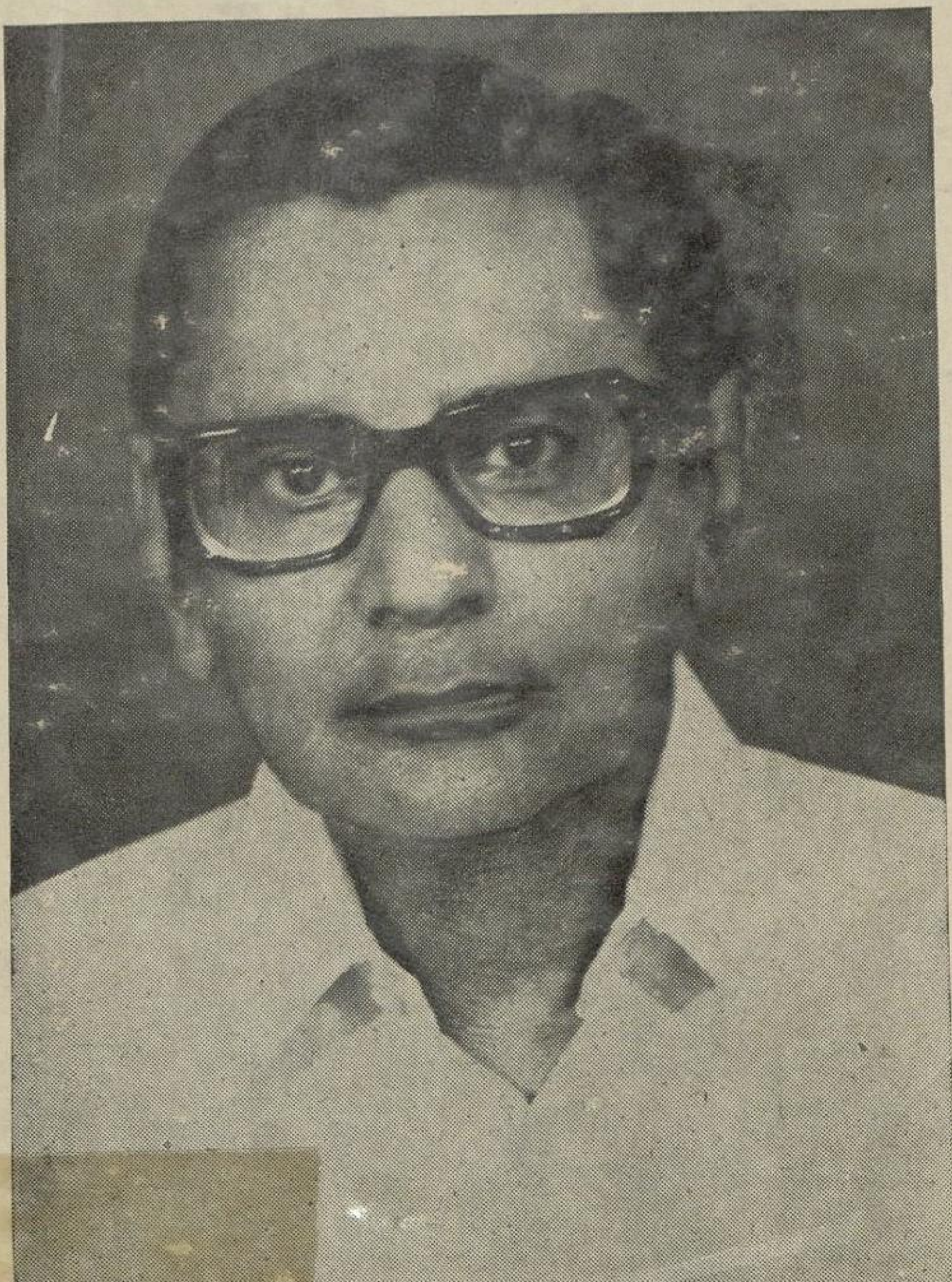
(۱) واہیات ۱۹۵۰ء (۲) طنز و تبسم ۱۹۶۳ء (۳) نشتر و مرہم ۱۹۶۸ء

(۴) کلام نرم و نازک ۱۹۷۲ء (۵) نام بہ نام (منظوم خطوط) ۱۹۷۳ء

(۶) چیٹ پٹ نظمیں (ہندی رسم الخط میں) ۱۹۷۳ء

(۷) اردو شاعری اور بہار (ہندی رسم الخط میں) ۱۹۵۷ء

(۸) اشارہ (نظم نگار شعراءِ بہار کا انتخاب کلام) ۱۹۵۳ء



RAZA NAQVI "WAHI"